جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ
نومبر ۲۰۲۴ء

ماہنامہ

میثاق
لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خلافت کی فرضیت
اور اس کے قیام کا نبوی ؐطریق کار

خصوصی اشاعت بموقع سالانہ اجتماع ۲۰۲۴ء

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الاحزاب:21)

تنظیمِ اسلامی
کا سالانہ
کُل پاکستان اجتماع

15 16 17
نومبر 2024ء

(بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار) آغازِ اجتماع: نمازِ عصر (3:45)

بمقام مرکزی اجتماع گاہ، بہاولپور

منعقد ہو رہا ہے (ان شاء اللہ العزیز)

عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:
((وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ))
[رواہ مالک واحمد والطبرانی والحاکم]

معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:
''میری محبت لازم ہوگئی اُن کے لیے جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور مل کر بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کی زیارت کو جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔''

لٰہذا رضائے الٰہی کے حصول کے لیے
بیعت سمع وطاعت کے مسنون معاہدہ میں منسلک رفقاء
کو شرکت کی بھرپور دعوت ہے۔

تفصیلات کے لیے اپنے مقامی نظم سے رجوع کیجیے!

المعلن: ناظم اعلیٰ، تنظیم اسلامی۔ فون: (042)35473375-78

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ

میثاق

لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جلد : 73

شمارہ : 11

جمادی الاولیٰ 1446ھ

نومبر 2024ء

فی شمارہ : 50 روپے

سالانہ زرِتعاون: 500 روپے

(اس شمارے کی قیمت 100 روپے)

مُدیر

حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت:

ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مُدیر

حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:

حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501

ای میل: maktaba@tanzeem.org، 0301-1115348

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375(042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5

جنگ کے سائے میں

تنظیم اسلامی کا مسلسل دوسرا سالانہ اجتماع — خورشید انجم

بیانُ القرآن — 10

سُورۃُ البیّنۃ تا سُورۃُ التّکاثُر — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکیر بالقرآن — 27

رفقائے تنظیم کے لیے امیر تنظیم کا الوداعی تحفہ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دعوت و عزیمت — 35

حزب اللہ کی تشکیل کیسے ہو؟ — حافظ عاکف سعید

ذکرِ حبیب ﷺ — 43

سیرتِ رحمۃ للعالمین ﷺ بزبانِ ربّ العالمین — ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

اقبالیات — 56

مقامِ قرآن: علامہ اقبال کی نظر میں — پروفیسر محمد منور مرزا

بیتُ المقدس — 65

مسجدِ اقصیٰ سے متعلق ایک اہم حدیث — ابوکلیم مقصود الحسن فیضی

تذکیر و موعظت — 68

زندگی کی قدر و قیمت اور وقت کی تنظیم — مولانا عبدالمتین

حسنِ مُعاشرت — 77

میاں بیوی — سعد عبداللہ

حقوق و فرائض — 83

اسلام میں حقوق العباد: ایک مختصر جائزہ — ممتاز ہاشمی

منہجِ انقلابِ نبویؐ — 87

فرضیتِ خلافت (اور)

اس کے قیام کا نبویؐ طریقہ کار — مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ

فرائضِ دینی — 111

مسئلۂ خلافت کی فرضیت — مفتی عبدالرحمٰن ستی

رفتارِ کار — 139

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا پہلا دورۂ امریکہ — ڈاکٹر سید ساجد حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنگ کے سائے میں
تنظیم اسلامی کا مسلسل دوسرا سالانہ اجتماع

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع مسلسل دوسری مرتبہ اِن حالات میں منعقد ہو رہا ہے کہ فلسطینی مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ چکی ہے۔ کہنا تو ہمیں یہ چاہیے تھا کہ اُمّتِ مُسلمہ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے لیکن وہ کہیں دکھائی دے رہی ہوتی تو ہم اُس کا ذکر کرتے۔ دُنیا بھر کے مسلمان تو بعد کی بات ہے‘ ہمیں تو عرب متحد نظر نہیں آتے۔ یو اے ای کا رخ کچھ اور ہی نظر آ رہا ہے۔ اُس کی ایک خاتون وزیر نے حماس پر کھلم کھلا تنقید کی ہے۔ جذباتیت سے ہٹ کر اگر منطق کو اِس رویے کی بنیاد بنا کر غور و فکر کریں تو مسلمانوں کی یہ ٹوٹ پھوٹ دو اور دو چار کی طرح واضح نظر آتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ وہ ہستی جسے مسلمان نظریاتی طور پر اور زبانی طور پر کائنات کی عظیم ترین ہستی قرار دیتے ہیں اور جن کے بارے میں ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اختتامی ہی نہیں تکمیلی اور دائمی بھی ہے یعنی حضرت محمد ﷺ‘ اُنہوں نے تو مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو کر ایک ہی جسد قرار دیا تھا۔ اس سے وہ اُمّت وجود میں آئی جو اُمّتِ مُسلمہ کہلائی جس کے ایک حصے کی تکلیف اور درد دوسرے حصہ کو خود پہنچ جاتا۔ البتہ جب مسلمانوں نے اُمّت کے بانی اور حقیقی رہنما سے اپنے تعلق کو کمزور کر لیا‘ پھر علاقائی اور ذاتی مفادات اور اقتدار کی ہوس نے انہیں بُری طرح بکھیر دیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُمّتِ مُسلمہ کی اصطلاح تقریروں اور تحریروں تک محدود ہو کر رہ گئی جبکہ اُس کا وجود عملاً ختم ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ آج یہودی جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کا بدترین دشمن قرار دیتا ہے‘ مسلمان مردوں اور عورتوں کے ہی نہیں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے اجسام کے پُرزے پُرزے کر کے ہوا میں اچھال رہے ہیں۔ مسلمان بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں یا زیادہ سے زیادہ اسرائیل کی زبانی مذمت کر رہے ہیں‘ فلسطینیوں کو محض جھوٹی سچی تسلیاں دے

رہے ہیں۔ وہ کسی صورت اس بات پر آمادہ نہیں کہ اسرائیل کے خلاف براہِ راست کوئی اقدام کریں۔ انہیں خوف ہے کہ امریکہ اور یورپ اُن کے اقتدار کو یا مغربی ممالک میں رکھی ہوئی اُن کی دولت کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ اسرائیل کی نگاہِ بد اِس وقت مسجد اقصیٰ پر مرکوز ہے جسے وہ زمین بوس کر کے تھرڈ ٹمپل قائم کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ کہ جن عرب علاقوں پر قبضہ کر کے وہ اُنہیں گریٹر اسرائیل کا حصہ بنانا چاہتا ہے وہاں کے عربوں کو صلح صفائی اور امن و امان کا چکمہ دے کر اپنے جال میں پھنسا رہا ہے۔ عرب حکمرانوں کے قلب و ذہن کو اقتدار اور دولت کے نشہ نے اس بری طرح جکڑا ہوا ہے کہ وہ حقیقت کا ادراک نہیں کر پا رہے اور دشمن کے اصل وار کو سمجھ نہیں رہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مسلمان اگر امریکہ اور اسرائیل کے سامنے اچھے بچے بن کر رہیں گے تو اُن کا اقتدار بھی قائم رہے گا اور امن و امان بھی۔ ایسے میں ایک بڑا اہم سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب فیصلہ کن ہو سکتا ہے کہ کیا اسرائیل عرب حکمرانوں کے اقتدار اور عرب عوام کے امن و امان کی خاطر گریٹر اسرائیل کا منصوبہ تج کر دے گا جو اُن کے مذہبی عقیدے کا جزو لاینفک ہے؟ کوئی نادان ہی اس کا جواب اثبات میں دے سکتا ہے۔ بہرحال ہم اُمّتِ مُسلمہ کی موجودہ روش اور فلسطینیوں کی انتہائی مخدوش حالت پر اپنے غم کا اظہار ہی کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے!

اب ہم تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے حوالے سے رفقاء کے سامنے چند گزارشات رکھیں گے۔ اُمّتِ مُسلمہ کے لیے اللہ اور اُس کے آخری رسول ﷺ نے سال میں دو دن بطور عید مقرر کیے۔ یکم شوال کو عید الفطر سے موسوم کیا گیا اور دس ذوالحجہ کو عید الاضحیٰ کا نام دیا گیا۔ ان دو دنوں کے سوا کسی تیسرے دن کو عید قرار دینا یقیناً بدعت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی منشا کے خلاف ہے۔ تاہم اسے محض لغوی معنی کے حوالہ سے دیکھا جائے تو عید کا مطلب ہے: لوٹ کر آنے والا دن۔ اس میں خوشی اور اظہارِ مسرت کا عنصر بھی مضمر ہے۔ اُس ماہ مبارک کو پا لینا جسے اللہ ربّ العزت نے اپنا مہینہ کہا ہے‘ اُس کی ایک رات کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سُنّت کو ادا کر لینا‘ اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو گی کہ ایک مسلمان کی زندگی میں یہ خوشیوں بھرے دو تہوار لوٹ لوٹ کر آئیں۔ چنانچہ اردو زبان میں لفظ ’’عید‘‘ کو خوشی اور جشن کا مترادف قرار دیا گیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ’’فلاں کی تو عید ہو گئی‘‘۔ یہ

عید ہر انسان کی اپنی سوچ‘ فکر‘ خواہشات اور ترجیحات کے مطابق ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے کاروبار اور تجارت کو ترجیح اوّل دینے والے تاجر کا مال دُگنی اور چوگنی قیمت پر فروخت ہو جائے تو اُس کی عید ہو جاتی ہے۔ ایک سماجی کارکن جب رضا کارانہ طور پر کسی کی مدد کرتا ہے تو اُس کا دل خوشی سے معمور ہو جاتا ہے۔ ایک سیاسی کارکن جب اپنے لیڈر کا جلسہ کامیابی سے منعقد کراتا ہے یا اپنے حلقہ سے اسمبلی کا ممبر بنواتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتا‘ اس لیے کہ سیاست سے دلچسپی کے علاوہ اُس کے ذاتی مفادات بھی اس کامیابی سے وابستہ ہیں۔ گویا لغوی معنی قدرے مختلف ہونے کے باوجود اُردو زبان میں عید کو خوشی اور مسرت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو کسی تحریک کا سالانہ اجتماع بھی کارکنوں کے لیے عید کی سی حیثیت ہی رکھتا ہے۔ اگرچہ اس وقت افسردگی اور رنج و غم کا جو ماحول اور فضا ہے‘ اس میں کسی خوشی کا تصور تو سرے سے ممکن نہیں‘ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کے زوال کے خاتمے اور اس کے عروج کا تصوّر بھی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسلامی نظام مسلم ممالک میں رائج نہیں ہو جاتا اور صحیح معنوں میں اُمّتِ مُسلمہ وجود میں نہیں آ جاتی۔ لہٰذا اس ہدف کو اپنا نصب العین بنا کر کسی تحریک کے کارکنوں کا مل کر بیٹھنا آج پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء چونکہ رضائے الٰہی کے لیے اقامتِ دین کی جِدّ و جُہد میں ہم سفر اور ہم رکاب ہیں‘ لہٰذا ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد دیکھ کر اُن کے ایمان کو جلا ملتی ہے۔ ملک کے کونے کونے اور بیرونِ ملک سے آئے ہوئے رفقاء کو اپنے فکری اور تحریکی بھائیوں سے مل بیٹھنے کا موقع میسّر آتا ہے۔ اس باہمی رابطہ سے اخوت و محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ تبادلۂ خیال سے فکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ دنیوی اُمور اور معمول کے کاموں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر ایک پاکیزہ ماحول میں کارکن کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ماضی میں ہونے والی اپنی کوتاہیوں پر نگاہ ڈالے‘ اللہ اور اُس کے محبوب رسول ﷺ جن چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں‘ اُن سے ہجرت کا عہد کرے اور باقی ماندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط بندگی اور رسولِ کریم ﷺ کی پیروی کا عزم کرے۔

رفیق محترم! دنیا کے جھنجھٹ میں ان چیزوں پر غور کرنے کا موقع کم ہی میسّر آتا ہے۔ انسان صرف اتنی بات پر غور کر لے کہ کم و بیش ۶۰ تا ۷۰ سالہ زندگی کو آسودہ اور خوش نما بنانے کے لیے اسے کولہو کا بیل بننا پڑتا ہے تو ابدی اور لامحدود زندگی کو خوش گوار بنانے کے لیے کس قدر

محنت درکار ہوگی! کیا ہم مطلوبہ محنت کر رہے ہیں؟ جواب کیا ہوگا‘ اس کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

رفیق محترم! یہ دینی ذمہ داریاں ایک مسلمان کو عام حالات میں ادا کرنا ہوتی ہیں۔ آج مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حالات عام نہیں‘ خاص ہیں۔ ملک میں بدترین سیاسی عدم استحکام ہے۔ سودی معیشت‘ کرپشن اور آئی ایم ایف کے ساتھ معاہدوں نے ملک کی اقتصادی حالت کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ عوام کو مہنگائی اور بے روزگاری کے سوا کچھ نہیں دیا‘ جس سے ماحول میں سخت بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ مقتدر قوتیں بھی اپنا کھیل کھیلنے میں مصروف ہیں۔ گویا داخلی سطح پر ملک افتراق اور انتشار کی لپیٹ میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ پاکستان ایمان کے فقدان کی وجہ سے دنیوی دولت‘ اقتدار اور قوت کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اس پس منظر میں ایک رفیق کی ذمہ داریاں دو چند ہو جاتی ہیں‘ کیونکہ آج ہم ایک ایسی کشتی کے سوار ہیں جو خوف ناک طوفانی لہروں کی زد میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ امریکہ‘ بھارت اور اسرائیل کا ابلیسی اتحاد اسے ہر صورت غرق کرنے کے درپے ہے۔

رفقاءِ گرامی! اس کشتی کو حفاظت اور سلامتی سے کنارے لگانا ہماری دینی ذمہ داری بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ پاکستان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ارضِ وطن کو خوش حال اور مستحکم کرنے کی جِدّ و جُہد اور اُخروی نجات کے لیے دینی ذمہ داریاں ادا کرنا درحقیقت ایک ہی سمت میں محنت اور جان فشانی کا تقاضا کرتی ہیں۔ یعنی اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہو جائے تو یہ ملک نہ صرف ناقابلِ تسخیر ہو سکتا ہے بلکہ سپر پاور آف دی ورلڈ بن کر بھی اُبھر سکتا ہے۔ ایسے میں جو لوگ اسے اسلامی فلاحی ریاست بنانے میں کردار ادا کریں گے‘ وہ اللہ کی رضا پا کر امر ہو جائیں گے۔ دنیا میں سرفراز ہوں گے جبکہ آخرت میں جنت اُن کی منتظر ہوگی۔

رفقاء کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ گریٹر اسرائیل اور فلسطین میں جاری موجودہ جنگ سے پاکستان کا کیا تعلق جڑتا ہے۔ گریٹر اسرائیل قائم کرنے کے آخری مرحلے میں جب اسرائیل فیصلہ کن جنگ شروع کرے گا تو وہ کسی صورت یہ رسک نہیں لے گا کہ کسی اسلامی ملک کے پاس ایٹمی ہتھیار ہوں۔ لہٰذا پاکستان کو خواہی نخواہی جنگ کا حصہ بننا پڑے گا‘ کیونکہ اگر وہ اپنے ایٹمی ہتھیار سرنڈر کرتا ہے تو بھارت ہم پر چڑھ دوڑنے کے لیے کوئی وقت ضائع نہیں کرے گا۔ ہمیں

سمجھنا چاہیے کہ امریکہ‘ بھارت اور اسرائیل ایک ابلیسی اتحاد میں بندھے ہوئے ہیں جس کا اصل ہدف مسلمانوں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ہے۔

لہٰذا اپنی دنیا سنوارنے‘ پاکستان کو ناقابلِ تسخیر بنانے اور مستحکم کرنے کے ساتھ آخرت میں کامیاب ہونے کا صرف اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اقامتِ دین کی جدّوجہد میں ہم عملاً اپنا تن من دھن لگا دیں‘ باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ پانی سر سے گزرنے کو ہے‘ فیصلہ کیجیے دل یا شکم! اس سالانہ اجتماع میں صف بستہ ہو کر دیگر رفقاء کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر اس عہد کو تازہ کریں کہ میرے رب نے اقامتِ دین کی جدّوجُہد کا جو فریضہ مجھ پر عائد کیا ہے‘ اُسے اپنے دنیوی اُمور پر ترجیح دوں گا۔ دین کی دعوت جس قدر ہو سکا‘ خاص و عام تک پہنچاؤں گا اور ایسے مثالی نظم کا مظاہرہ کروں گا کہ حکم ملنے پر قدم بڑھاؤں گا اور حکم ملنے پر رک جاؤں گا۔ اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانے والے لوگ یقیناً دنیا کے خوش قسمت ترین لوگ ہیں۔ اے اللہ ربّ العزت! ہم سب کو اپنا عہد نبھانے کی توفیق عطا فرما اور عہد شکنی کی لعنت سے محفوظ فرما۔ آمین یاربّ العالمین!

سالانہ اجتماع کے حوالے سے ’’میثاق‘‘ کا پیش نظر شمارہ خصوصی اشاعت کا حامل ہے۔ اس میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ؒ اور امیر ثانی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے اپنے اپنے دورِ امارت میں سالانہ اجتماعات کے موقع پر خصوصی خطابات شامل اشاعت کیے گئے ہیں۔ نیز مسئلہ خلافت کی فرضیت اور نظامِ خلافت کے قیام کے نبوی طریق کار کے موضوع پر دو اہلِ علم حضرات مولانا ڈاکٹر شیر علی اور مفتی عبدالرحمٰن ستی کے مضامین بھی شائع کیے جا رہے ہیں۔

قارئین کرام نوٹ فرمالیں کہ ’’میثاق‘‘ کی اس خصوصی اشاعت کی حیثیت نومبر‘ دسمبر ۲۰۲۴ء کی مشترکہ اشاعت کی ہے۔

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘ آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ

تمہیدی کلمات

سورۃ البیّنۃ کو قرآن مجید کے اکثر نسخوں میں ''مَدَنِیَّۃ'' لکھا گیا ہے۔ مفسرین کے نزدیک اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ البتہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا قول ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ قرآن مجید کی ترتیبِ مصحف میں اس کو سورۃ العلق اور سورۃ القدر کے بعد رکھنا نظمِ قرآن کے اعتبار سے بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ سورۃ العلق میں پہلی وحی درج کی گئی ہے۔ سورۃ القدر میں بتایا گیا ہے کہ اس قرآن کا نزول کب ہوا اور اس سورت میں واضح کیا گیا ہے کہ اس قرآن کے ساتھ ایک رسول بھیجنا کیوں ضروری تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ
مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا
مُّطَہَّرَۃً ۙ﴿۲﴾ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ﴿۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ
اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ؕ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا
اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوا
الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ
الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ
الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ
الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا

الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ
ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ ٪﴿۸﴾

آیت ۱ ﴿لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ﴿۱﴾﴾ ''نہیں تھے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اہلِ کتاب میں سے اور مشرکین میں سے الگ ہونے والے (یا باز آنے والے) جب تک کہ ان کے پاس البیّنہ نہ آجاتی۔''

ظاہر ہے وہ لوگ سیدھے راستے سے بھٹک کر گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اب جب تک ان کے سامنے کوئی بین (واضح) دلیل نہ آجاتی جس سے انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ گمراہ ہیں یا انہیں بہت واضح انداز میں بتا نہ دیا جاتا کہ وہ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ راہِ ہدایت نہیں' اُس وقت تک انہیں رشد و ہدایت کی راہ پر چلنے والوں سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کا مفہوم یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک ان لوگوں کے پاس البیّنہ نہ آجاتی وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہیں تھے —— مُنۡفَکِّیۡنَ: اِنفکاک (فکّ سے باب اِنفعال) سے ہے' جس کا مفہوم ہے کسی چیز کا کسی چیز سے الگ ہو جانا' جدا ہو جانا۔

وہ البیّنہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت اگلی آیات میں کی جا رہی ہے:

آیت ۲ ﴿رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ﴿۲﴾﴾ ''ایک رسول (ﷺ) اللہ کی جانب سے جو تلاوت کرتے ہیں پاکیزہ اوراق کی۔''

ان اوراق میں کیا ہے؟

آیت ۳ ﴿فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ﴿۳﴾﴾ ''ان میں بڑے مضبوط احکام (تحریر) ہیں۔''

لفظ ''کتاب'' کے بارے میں قبل ازیں بھی متعدد بار واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ عام طور پر احکامِ شریعت کے لیے آتا ہے۔ تو پتا چلا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی کتاب کا اکٹھا نام البیّنہ ہے۔ یہ وہی بات ہے جو قبل ازیں ہم لفظ ''ذِکرًا'' کے حوالے سے سورۃ الطلاق میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ وہاں اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکُمۡ ذِکۡرًا ﴿ۙ۱۰﴾ رَّسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ ...﴾ ''اللہ نے تمہاری طرف ذکر نازل کر دیا ہے۔ ایک رسولؐ جو اللہ کی آیاتِ بیّنات تم لوگوں کو پڑھ کر سنا رہا ہے......''

گویا تعبیر اور تعریف (definition) کے اعتبار سے اَلْبَیِّنَہ اور ذِکْرًا ہم معنی اصطلاحات ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے واضح احکام کتاب کی صورت میں نازل کیے اور اس کتاب کی تفہیم و تعلیم کے لیے رسول ﷺ کو بھی مبعوث فرمایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے وہ تمام احکام اس انداز میں کھول کر بیان فرما دیے کہ اب اس کے بعد ان مخاطبین کے پاس کفر و شرک کے ساتھ چمٹے رہنے اور ضلالت و گمراہی سے باز نہ آنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔

آیت ۴ ﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴﴾ ’’اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے تفرقہ نہیں کیا تھا مگر اس کے بعد جبکہ ان کے پاس البیّنہ آچکی تھی۔‘‘

یعنی اسی طرح اس سے پہلے بنی اسرائیل کے پاس بھی البیّنہ (اللہ کا رسولؑ اور اُس کی کتاب) آئی تھی‘ مگر وہ لوگ اس کے بعد بھی راہِ راست پر آنے کے بجائے تفرقہ بازی میں پڑ گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ یہودی بن گئے اور کچھ نصاریٰ۔ بعد میں نصاریٰ مزید کئی فرقوں میں بٹتے چلے گئے۔ چنانچہ البیّنہ کے آجانے کے بعد بھی راہِ راست پر نہ آنے کے جرم کی پاداش میں وہ لوگ شدید ترین سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔

آیت ۵ ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ﴾ ’’اور انہیں حکم نہیں ہوا تھا مگر یہ کہ وہ بندگی کریں اللہ کی‘ اپنی اطاعت کو اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے‘ بالکل یکسو ہو کر‘‘

یہ حکم گویا پورے دین کا خلاصہ ہے جو اس سے پہلے سورۃ الزمر (آیات ۲‘ ۳‘ ۱۱ اور ۱۴) میں بہت تاکید اور شدّ و مد کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اُس کی پوری اطاعت کے ساتھ کریں۔ یہ نہیں کہ نماز بھی پڑھے جا رہے ہیں اور حرام خوریوں سے بھی باز نہیں آتے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کی اطاعت بھی جاری ہے۔ ایسی آیات دراصل ہمیں خبردار کرتی ہیں کہ جزوی بندگی اور ساجھے کی اطاعت اللہ تعالیٰ کو ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ اور یہ کہ اگر ہم اس جرم کا ارتکاب کریں گے تو ہم بھی اسی وعید کے مستحق ہوں گے جو اس حوالے سے بنی اسرائیل کو سنائی گئی تھی۔ ملاحظہ ہوں اس وعید کے یہ الفاظ: ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ﴾ (البقرۃ:۸۵) ’’تو کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ تو نہیں ہے کوئی سزا اُس کی جو یہ حرکت کرے تم میں سے سوائے ذِلّت و رسوائی کے دنیا کی زندگی میں‘ اور قیامت کے روز وہ لوٹا دیے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف‘‘۔ بلکہ اس حوالے سے اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اس آیت میں دنیا کے جس عذاب کا ذکر ہے ﴿خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ﴾ وہ اِس وقت بحیثیت اُمّت ہم پر مسلط ہو بھی چکا ہے۔ مقامِ عبرت ہے! آج مسلمانوں کی آبادی دو ارب سے بھی زیادہ ہے‘ دنیا کے بہترین خطے اور بہترین وسائل ان کے قبضے میں ہیں‘ مگر اس کے باوجود عزّت نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں۔ بین الاقوامی معاملات کے حوالے سے مسلمان حکمرانوں کی حالت یہ ہے کہ ’’کس نمی پرسد کہ بھیّا کیستی؟‘‘ یعنی عالمی معاملات میں کوئی ان کی رائے لینا بھی گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ مسلمان ملکوں کی اپنی پالیسیوں کا اختیار بھی ان کے پاس نہیں۔ ان کے سالانہ بجٹ بھی کہیں اور سے بن کر آتے ہیں۔

بہرحال اس آیت کے حکم کا مدعا یہی ہے کہ جسے اللہ کا ’’بندہ‘‘ بننا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی اس کے قانون کے تابع کر کے اس کے حضور پیش ہو۔ ’’قیصر کا حصّہ قیصر کو دو اور خدا کا حصّہ خدا کو دو‘‘ والا قانون اللہ تعالیٰ کو قابلِ قبول نہیں۔ چنانچہ ایمان کے دعوے داروں کو چاہیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے پوری یکسوئی کے ساتھ اُس کی عبادت کریں۔

﴿وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵﴾ ’’اور (یہ کہ) نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں‘ اور یہی ہے سیدھا (اور سچا) دین۔‘‘

گویا ان الفاظ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ’’بندگی‘‘ اور شے ہے‘ جبکہ نماز اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے۔ اس نکتے کو یوں سمجھیں کہ بندگی تو پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دے دینے کا نام ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

زندگی آمد برائے بندگی — زندگی بے بندگی شرمندگی!

جبکہ نماز‘ زکوٰۃ (عبادات) وغیرہ اس بندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لوازمات ہیں‘ تاکہ ان کے ذریعے سے بندہ اپنے رب کو مسلسل یاد کرتا رہے اور اس کا تعلق اپنے رب کے ساتھ ہر دم‘ ہر گھڑی تازہ رہے۔ حفیظ جالندھری کے اس خوبصورت شعر میں یہی فلسفہ بیان ہوا ہے:

سرکشی نے کر دیے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوحِ جبیں تازہ کریں!

گویا ہمارے ’’نقوشِ بندگی‘‘ نفس پرستی کی کثافتوں اور کدورتوں کے گرد وغبار سے اکثر دھندلا جاتے ہیں۔ چنانچہ انہیں تازہ رکھنے کے لیے نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور دیگر مراسمِ عبودیت کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور مسلسل حاضری دینے کی ضرورت رہتی ہے۔ جیسے ایک بندۂ مسلمان اپنی نمازِ پنجگانہ کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا یہ عہد تازہ کرتا ہے: ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝﴾ کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں (اور کرتے رہیں گے) اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں (اور مانگتے رہیں گے)۔ تصوّر کیجیے اگر ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ عہد پورے ارادے اور شعور کے ساتھ روزانہ بار بار دہرائے گا تو اس سے اس کے تعلق مع اللہ کے چمن میں تروتازگی کی کیسی کیسی بہاروں کا سماں بندھا رہے گا۔

آیت ۶ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ﴾ ’’بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی‘ خواہ وہ اہلِ کتاب میں سے تھے‘ خواہ مشرکین میں سے‘‘

﴿فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ﴾ ’’وہ ہوں گے جہنّم کی آگ میں‘ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

﴿اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ﴿۶﴾﴾ ’’یہی لوگ بدترین خلائق ہیں۔‘‘

آیت ۷ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ﴾ ’’(اس کے برعکس) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے‘‘

﴿اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ﴿۷﴾﴾ ’’یہی بہترین خلائق ہیں۔‘‘

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آیت ۸ ﴿جَزَآؤُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ﴾ ’’ان کا بدلہ ہوگا ان کے رب کے پاس دائمی قیام کے باغات کی صورت میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی‘ ان میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔‘‘

یہاں پر ضمنی طور پر یہ علمی نکتہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ قرآن مجید میں دو مقامات ایسے ہیں جہاں

اہلِ جنّت اور اہلِ جہنّم کے فوری تقابل (simultaneous contrast) میں اہلِ جنّت کے لیے ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا﴾ جبکہ اہلِ جہنّم کے لیے صرف ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں ایک مقام تو یہی ہے۔ یعنی اس سورت کی زیر مطالعہ آیت میں اہلِ جنّت کے لیے ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا﴾ کے الفاظ آئے ہیں‘ جبکہ اس سے پہلے آیت ۶ میں اہلِ جہنّم کا ذکر کرتے ہوئے ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا﴾ کے الفاظ تک اکتفاء فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ التغابن کی آیت ۹ اور آیت ۱۰ میں بھی اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے تقابل کے حوالے سے یہی فرق دیکھنے میں آتا ہے۔ ان دونوں مقامات میں مذکورہ فرق کی بنیاد پر اُمّتِ مسلمہ کی دو بہت بڑی علمی شخصیات نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جنّت اور اس کی نعمتیں تو ابدی ہیں‘ لیکن جہنّم ابدی نہیں ہے اور یہ کہ کبھی ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب اہلِ جہنّم میں سے خیر کے حامل آخری عناصر کو نکال کر باقی لوگوں کو مدّتِ مدید تک مبتلائے عذاب رکھنے کے بعد بالآخر اس میں جلا کر معدوم کر دیا جائے گا اور اس کے بعد جہنّم کو بھی ختم کر دیا جائے گا۔ اس موقف کی حامل دو شخصیات میں ایک تو شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ہیں جن کا شمار چوٹی کے صوفیاء میں ہوتا ہے اور دوسری شخصیت امام ابن تیمیہؒ کی ہے جو سلفی حضرات کے نزدیک اسلامی دنیا کے سب سے بڑے امام اور عالم ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کا اس نکتے پر محی الدین ابن عربیؒ سے متفق ہو جانا یقیناً ایک اہم بات اور ’’متفق گردید رائے بوعلی با رائے من‘‘ والا معاملہ ہے‘ کیونکہ مجموعی طور پر وہ محی الدین ابن عربیؒ کے خیالات ونظریات سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ جہنّم کے ابدی نہ ہونے سے متعلق مَیں نے یہاں مذکورہ دو شخصیات کی آراء کا ذکر محض ایک علمی نکتے کے طور پر کیا ہے‘ عام اہلِ سُنّت کا عقیدہ بہرحال یہ نہیں ہے۔ اہلِ سُنّت علماء کے نزدیک جہنّم بھی جنّت کی طرح ابدی ہی ہے۔

﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ﴾ ’’اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔‘‘

یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ وہ اللہ سے خوش ہو جائیں گے۔

﴿ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ ﴿۸﴾﴾ ’’یہ (صلہ) اُس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔‘‘

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! آمین‘ ثم آمین! ۞

سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ

تمہیدی کلمات

سورۃ الزلزال کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں بھی مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔لیکن اس کے اسلوب اور مضامین پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔فضیلت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک ہزار آیات کے برابر قرار دیا ہے۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی تین سورتیں (سورۃ العادیات' سورۃ القارعہ اور سورۃ التکاثر) انذارِ آخرت کے حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾
وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ
اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۵﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ؕ﴿۶﴾
فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ
ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾

آیت ۱ ﴿اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ﴿۱﴾﴾ ''جب زمین ہلائی جائے گی جیسے کہ ہلائی جائے گی۔''

یعنی تم انسان یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس زلزلے کی کیفیت کیسی ہوگی۔سورۃ الحج کے آغاز میں اس کیفیت کی شدت کا نقشہ بایں الفاظ کھینچا گیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾ یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَ تَرَی النَّاسَ سُكٰرٰی وَ مَا هُمۡ بِسُكٰرٰی وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیۡدٌ ﴿۲﴾﴾

''اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو اپنے رب کا' یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہوگا۔جس دن تم اُس کو دیکھو گے' اس دن (حال یہ ہوگا کہ) بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی جسے وہ دودھ پلاتی تھی اور (دہشت کا عالم یہ ہوگا کہ) ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تم دیکھو گے لوگوں کو جیسے وہ نشے میں ہوں' حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے' بلکہ اللہ کا عذاب ہی بہت سخت ہے۔''

آیت ۲ ﴿وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ﴿۲﴾﴾ ''اور زمین اپنے سارے بوجھ نکال کر باہر پھینک دے گی۔''

یعنی اُس دن زمین اپنے اندر مدفون تمام انسانوں کو' وہ جس حالت میں بھی ہوں گے' نکال کر باہر ڈال دے گی۔اگر ان کے ذرّات منتشر ہو کر زمین کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہوں گے تو ان کو بھی یکجا کر دیا جائے گا۔واضح رہے کہ جو انسان اصطلاحی مفہوم میں زمین کے اندر باقاعدہ دفن نہیں بھی ہوتے' مثلاً سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں یا جلا دیے جاتے ہیں' ان کے اجسام کے اجزائی ذرّات بھی کسی نہ کسی شکل میں بالآخر زمین میں ہی جذب ہوتے ہیں اور وہ قیامت کے دن زمین سے ہی برآمد ہوں گے۔سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت اس لحاظ سے بہت واضح ہے: ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِیۡهَا نُعِیۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی ﴿۵۵﴾﴾ ''اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے' اور اسی میں سے ہم تمہیں ایک مرتبہ پھر نکالیں گے۔''

آیت ۳ ﴿وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾﴾ ''اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟''

آیت ۴ ﴿یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ﴿۴﴾﴾ ''اُس دن یہ اپنی خبریں کہہ سنائے گی۔''

اُس دن اللہ تعالیٰ زمین کو بھی بولنے کی صلاحیت عطا فرمائے گا اور وہ ہر انسان کے بارے میں ایک ایک خبر دے گی کہ وہ اس کی پشت پر بیٹھ کر کیا کیا حرکتیں کرتا رہا ہے۔یعنی جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء اُس دن اس کے خلاف گواہی دیں گے اسی طرح زمین کا متعلقہ حصّہ اور ٹکڑا بھی اس کے خلاف بطور گواہ کھڑا ہوگا۔سورۂ حٰمٓ السجدۃ (آیت ۲۱) میں ان گواہیوں کے حوالے سے بہت عبرتناک مکالمات کا ذکر ہے۔جب انسانوں کی جلدوں سمیت ان کے تمام اعضاء ان کے خلاف گواہیاں دے رہے ہوں گے تو وہ جھنجھلا کر اپنی جلدوں سے کہیں گے: ﴿لِمَ شَهِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا ؕ﴾ کہ تم کیوں ہمارے خلاف بول رہے ہو؟ اس پر وہ

تر کی بہ تر کی جواب دیں گی: ﴿اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ﴾ کہ آج ہمیں بھی اُس اللہ نے بولنے کی صلاحیت عطا کردی ہے جس نے باقی ہر چیز کو بولنا سکھایا ہے۔ بہرحال اس دن اللہ تعالیٰ زمین کو بھی زبان عطا کرے گا اور وہ انسانوں سے متعلق تمام احوال کی ایک ایک تفصیل بیان کرے گی۔

آیت ۵ ﴿بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَہَا ﴿۵﴾﴾ ''اس لیے کہ اُسے اُس کے رب نے حکم دیا ہوگا۔''

آیت ۶ ﴿یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ﴾ ''اُس دن لوگ علیحدہ علیحدہ ہو کر نکل پڑیں گے''

اَشۡتَاتًا جمع ہے شَتٌّ کی‘ یعنی منتشر و متفرق۔ نصب حالیت کی وجہ سے ہے۔ اسی معنی میں یہ لفظ سورۃ اللیل کی اس آیت میں بھی آیا ہے: ﴿اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ﴿۴﴾﴾ کہ تم انسان بظاہر ایک جیسے نظر آتے ہو لیکن تمہاری سعی و جُہد کے رخ بالکل مختلف ہیں۔

﴿لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۶﴾﴾ ''تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔''

اس منظر کی ایک جھلک سورۃ الکہف کی اس آیت میں بھی دکھائی گئی ہے:

﴿وَ وُضِعَ الۡکِتٰبُ فَتَرَی الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُشۡفِقِیۡنَ مِمَّا فِیۡہِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ یٰوَیۡلَتَنَا مَالِ ہٰذَا الۡکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً اِلَّاۤ اَحۡصٰہَا ۚ وَ وَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾﴾

''اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ‘ چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہوگا اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو‘ مگر اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ اور وہ پائیں گے جو عمل بھی انہوں نے کیا ہوگا اُسے موجود۔ اور آپ کا رب ظلم نہیں کرے گا کسی پر بھی۔''

آج کے ماحول کو مدّنظر رکھتے ہوئے اس آیت کا مفہوم یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اُس دن ایک بہت بڑا کمپیوٹر سرِ محشر نصب کر دیا جائے گا جس میں پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کے اعمال سے متعلق تفصیلی ڈیٹا موجود ہوگا۔ جونہی کسی فرد کو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا اس کی پوری زندگی کی آڈیو ویڈیو فلم فوراً اسکرین پر چلنا شروع ہو جائے گی۔

آیت ۷ ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾﴾ ''تو جس کسی نے ذرّہ کے ہم وزن

بھی کوئی نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔''

آیت ۸ ﴿وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾﴾ ''اور جس کسی نے ذرّہ کے ہم وزن کوئی بدی کی ہوگی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا۔''

عربی لغت کے مطابق چیونٹی کے انڈے سے نکلنے والے بچے کو ''ذرّہ'' کہا جاتا ہے۔ یعنی بہت چھوٹی اور حقیر چیز۔ اسی مفہوم میں لفظ ''ذرّہ'' اردو میں بھی مستعمل ہے۔

یہ آیت انسان کو اس اہم حقیقت پر متنبہ کرتی ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی بہرحال اپنا ایک وزن اور اپنی ایک قدر رکھتی ہے‘ اور چھوٹی سے چھوٹی بدی بھی حساب میں آنے والی چیز ہے۔ بسا اوقات انسان نیکی کے چھوٹے سے کام کو حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے‘ اور بعض اوقات صغیرہ گناہوں کی پروا نہیں کرتا۔ یہ درست طرزِ عمل نہیں ہے۔ کسی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر اسے چھوڑنا نہیں چاہیے اور کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اس پر جری نہیں ہونا چاہیے۔ ۞

سُوۡرَۃُ الۡعٰدِیٰتِ

تمہیدی کلمات

سورۃ العادیات قرآن مجید کی ان پانچ سورتوں میں پانچویں اور آخری سورت ہے جن کا آغاز ایک جیسے انداز میں پے در پے قسموں سے ہوتا ہے۔ اس فہرست میں اس سورت کے علاوہ سورۃ الصافات‘ سورۃ الذّاریات‘ سورۃ المرسلات اور سورۃ النازعات شامل ہیں۔ اس سورت کے بھی مکّی یا مدنی ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے‘ لیکن سورت کے مضمون اور اندازِ بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ابتدائی دور کی مکّی سورت ہے۔ اس سورت کے آغاز کی قسموں کے بارے میں تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ ان میں گھوڑوں کا ذکر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ

لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

آیت ۱ ﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١﴾ ”قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے۔“

آیت ۲ ﴿فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝٢﴾ ”پھر وہ سم مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں۔“

جب سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑوں کے سم کسی پتھر وغیرہ سے ٹکراتے ہیں تو ان سے چنگاریاں نکلتی دکھائی دیتی ہیں۔

آیت ۳ ﴿فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣﴾ ”پھر وہ علی الصبح غارت گری کرتے ہیں۔“

اس آیت میں گھوڑوں کی خصوصی صفات کے ساتھ ساتھ زمانہ جاہلیت کے عرب تمدن کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ اہلِ عرب جب لوٹ مار یا قتل و غارت کے لیے کسی قبیلے پر حملے کی منصوبہ بندی کرتے تو اس کے لیے علی الصبح منہ اندھیرے کے اوقات (small hours of the morning) کا انتخاب کرتے تھے۔ اس قسم کی غارت گری کے لیے رات کا پچھلا پہر اس لیے موزوں سمجھا جاتا تھا کہ اُس وقت ہر کوئی بڑی سکون کی نیند سو رہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مریض تکلیف کی وجہ سے ساری رات سو نہ سکے تو رات کے پچھلے پہر اسے بھی نیند آ جاتی ہے۔

آیت ۴ ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤﴾ ”پھر وہ اس سے گرد اُڑاتے ہوئے جاتے ہیں۔“

آیت ۵ ﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥﴾ ”پھر اس کے ساتھ وہ (دشمن کی) جمعیت کے اندر گھس جاتے ہیں۔“

پرانے زمانے کی جنگوں میں گھوڑے بہت مؤثر اور کارآمد ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ حملے کے وقت گھوڑے اپنے سواروں کے حکم پر مخالف فوج کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی یلغار کی پروا نہ کرتے ہوئے ان کی صفوں میں گھس جاتے تھے۔ گھوڑے کا اپنے مالک کی فرمانبرداری میں اپنا خون پسینہ ایک کر دینے کا جذبہ اور اس کی وفاداری میں اپنی جان کی بازی تک لگا دینے کا وصف! یہ ہے دراصل ان قسموں کے مضمون کا مرکزی نکتہ جس کی طرف یہاں توجہ دلانا مقصود ہے۔ چنانچہ گھوڑوں کے ان اوصاف کے ذکر کے بعد تقابل کے طور پر انسان کے کردار کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

آیت ۶ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦﴾ ”یقیناً انسان اپنے ربّ کا بہت ہی ناشکرا ہے۔“

مطلب یہ کہ ایک طرف وہ جانور ہے جو اپنے مالک کے ایک اشارے پر اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے‘ جو اُس کا خالق نہیں ہے‘ بلکہ صرف اُس کے دانے پانی کا انتظام کرتا ہے‘ اور دوسری طرف یہ باشعور‘ صاحبِ عقل و دانش اشرف المخلوقات انسان ہے جو اپنے خالق اور مالک کا شکر ادا نہیں کرتا۔

آیت ۷ ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧﴾ ”اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔“

وہ اپنے اس طرزِ عمل سے خوب واقف ہے۔ جیسا کہ سورۃ القیامہ میں فرمایا گیا: ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤﴾ کہ انسان اپنے خیالات‘ جذبات اور کردار کے بارے میں خود سب کچھ جانتا ہے۔ چنانچہ انسان خوب جانتا ہے کہ وہ قدم قدم پر اپنے رب کی ناشکری کا مرتکب ہو رہا ہے۔

آیت ۸ ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨﴾ ”اور وہ مال و دولت کی محبّت میں بہت شدید ہے۔“

مال و دولت کی محبّت میں انسان اکثر اوقات حلال و حرام کی تمیز تک بھلا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ حرام کھاتے ہوئے وہ اپنے نفسِ لوامہ (بحوالہ سورۃ القیامہ‘ آیت ۲) اور ضمیر کی ملامت کی بھی پروا نہیں کرتا۔

آیت ۹ ﴿اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩﴾ ”تو کیا وہ اُس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا وہ سب کچھ جو قبروں میں ہے۔“

آیت ۱۰ ﴿وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠﴾ ”اور ظاہر کر دیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے۔“

آیت ۱۱ ﴿اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١﴾ ”یقیناً ان کا رب اس دن ان سے پوری طرح باخبر ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام اعمال و افعال کا علم ہے اور اس دن وہ ان سے ایک ایک چیز کا حساب لے لے گا۔ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَسِيْرًا۔ آمین! انذارِ آخرت کے مضمون کی حامل ان سورتوں میں سے ہر سورت کی تلاوت کے بعد یہ دعا ضرور کرنی چاہیے کہ اے اللہ! تُو ہم سے آسان حساب لینا اور اپنی خصوصی رحمت سے ہمارے گناہوں کو معاف کر دینا۔ ❁

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلۡقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾
یَوۡمَ یَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ
كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِیۡ
عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ
هَاوِیَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَاهِیَهۡ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَةٌ ﴿۱۱﴾

آیت ۱ ﴿اَلۡقَارِعَةُ ۝۱﴾ ’’وہ کھٹکھٹانے والی۔‘‘

آیت ۲ ﴿مَا الۡقَارِعَةُ ۝۲﴾ ’’کیا ہے وہ کھٹکھٹانے والی!‘‘

قَرَعَ یَقْرَعُ قَرْعًا کے معنی ایک چیز کو کسی دوسری چیز پر زور سے دے مارنے کے ہیں۔ جیسے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹانا۔ اس لغوی معنی کی مناسبت سے قَارِعَۃ کا لفظ ہولناک حادثے اور عظیم مصیبت کے لیے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی قوم کسی حادثہ فاجعہ یا عظیم آفت کا شکار ہو تو عرب کہتے ہیں: قَرَعَتْھُمُ الْقَارِعَۃُ کہ ان کو ایک بڑی آفت نے پیٹ ڈالا — وہ قیامت جب آئے گی تو پوری کائنات کو کھٹکھٹا ڈالے گی اور دنیا کی ہر چیز کو تہ و بالا کر دے گی۔ تمام اجرامِ فلکی آپس میں ٹکرائیں گے جس سے خوفناک دھماکے ہوں گے اور دل دہلا دینے والی آوازیں پیدا ہوں گی۔

آیت ۳ ﴿وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ۝۳﴾ ’’اور تم کیا سمجھے کہ کیا ہے وہ کھٹکھٹانے والی!‘‘

آیت ۴ ﴿یَوۡمَ یَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۝۴﴾ ’’جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی مانند ہوں گے۔‘‘

آیت ۵ ﴿وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝۵﴾ ’’اور پہاڑ دُھنی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے۔‘‘

العِھْن: رنگ دار اُون کو کہتے ہیں اور مَنفُوْش کے معنی ہیں دُھنی ہوئی۔ یعنی پہاڑ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہیں گے بلکہ ریزہ ریزہ ہو کر رنگ دار اون کی طرح ہوا میں اُڑ رہے ہوں گے۔

آیت ۶ ﴿فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۝۶﴾ ’’تو جن لوگوں کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے۔‘‘

یہاں یہ نکتہ خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے کہ ان آیات میں ایک ہی قسم کے وزن یا میزان کے ایک ہی پلڑے کا ذکر آیا ہے۔ اس بارے میں عام رائے یہ ہے کہ ’’مَوَازِین‘‘ سے مراد یہاں نیکیوں کا وزن ہے۔ یعنی حساب کے وقت ہر شخص کی نیکیوں کا وزن کر کے دیکھا جائے گا کہ یہ وزن ’’مطلوبہ معیار‘‘ کے مطابق ہے یا نہیں۔ اور یہ ’’مطلوبہ معیار‘‘ بھی ہر شخص کا الگ الگ اس کے ’’شاکلہ‘‘ کے مطابق ہوگا۔ ظاہر ہے ہر شخص کی استطاعت (پیدائشی صلاحیتوں اور ماحول کے منفی و مثبت اثرات کے مطابق) دوسرے شخص کی استطاعت سے مختلف ہوگی اور ہر شخص اپنی استطاعت کی حد تک ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مکلّف ہوگا: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ’’اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اُس کی وسعت کے مطابق‘‘۔ چنانچہ ہر شخص کے شاکلہ یعنی اس کے جینز (genes) کی طرف سے اسے حاصل ہونے والی صلاحیتوں اور ماحول کے اثرات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس کے لیے نیکیوں کے وزن کا ایک خاص معیار مقرر کیا جائے گا۔ اگر تو اس کی نیکیوں کے وزن (مَوَازِیْنُهٗ) کو اس معیار کے مطابق پایا گیا تو اسے کامیابی کا پروانہ مل جائے گا۔

آیت ۷ ﴿فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝۷﴾ ’’تو وہ ہوگا عیش و عشرت کی زندگی میں۔‘‘

آیت ۸ ﴿وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۝۸﴾ ’’اور جس (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے۔‘‘

آیت ۹ ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ۝۹﴾ ’’تو اُس کا ٹھکانہ ایک گہرا گڑھا ہوگا۔‘‘

’’هَاوِیَة‘‘ (گہرا گڑھا) جہنّم کا نام ہے۔ اس کو ’ہاویہ‘ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جہنمی اس کی

گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو اُمّ (ماں) سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح اہل جہنّم کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔

آیت ۱۰ ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝۱۰﴾ ’’اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ کیا ہے؟‘‘

آیت ۱۱ ﴿نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱﴾ ’’آگ ہے دہکتی ہوئی!‘‘

اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ!!

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ
الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ
لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸

آیت ۱ ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱﴾ ’’تمہیں غافل کیے رکھا ہے بہتات کی طلب نے!‘‘

التَّكَاثُرُ کے معنی مال جمع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے بھی ہیں اور مال و دولت کی کثرت پر فخر کرنے کے بھی —— دولت انسان کے پاس چاہے جتنی بھی ہو اس کی طبیعت اس سے بھرتی نہیں اور وہ بدستور مزید حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔

آیت ۲ ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲﴾ ’’یہاں تک کہ تم قبروں کو پہنچ جاتے ہو۔‘‘

یعنی انسان اپنی ساری عمر اسی تگ و دو میں کھپا دیتا ہے اور مرتے دم تک یہ فکر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ انسان کی حرص و ہوس کے پیمانے کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے[1]۔ سورۃ الحدید

۱۔ حضرات عبداللہ بن عباس، ابوموسیٰ الاشعری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے (الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ) مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
◀

کی آیت ۲۰ میں انسانی زندگی کے جن مراحل کا ذکر ہوا ہے ان میں آخری مرحلہ تکاثر فی الاموال والاولاد کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آخری عمر میں انسان کی یہ حرص مزید بڑھ جاتی ہے۔

آیت ۳ ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳﴾ ’’کوئی بات نہیں! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔‘‘

آیت ۴ ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴﴾ ’’پھر کوئی بات نہیں! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔‘‘

اپنے اسلوب کے اعتبار سے یہ آیات سورۃ النبا کی ان آیات سے مشابہ ہیں: ﴿كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۵﴾۔ یعنی ابھی تم لوگ ’’تکاثر‘‘ کے نشے میں مست ہونے کی وجہ سے موت کا تصور بھی ذہن میں لانے کے لیے تیار نہیں ہو، مگر وہ وقت دُور نہیں جب موت خود آ کر تم سے ملاقات کرے گی: ﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸﴾ (الجمعة) ’’(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجیے کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے ملاقات کر کے رہے گی، پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس ہستی کی طرف جو غیب اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے‘‘۔ بہرحال جونہی تمہاری آنکھیں بند ہوں گی، وہ تمام حقائق تم پر روشن ہو جائیں گے جن سے تم اس وقت نظریں چرانے کی کوشش کر رہے ہو۔

آیت ۵ ﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵﴾ ’’کوئی بات نہیں! کاش کہ تم علمِ یقین کے ساتھ جان جاتے!‘‘

یعنی موت یا قیامت کا علم دراصل یقینی علم ہے، کاش کہ تمہیں اس کا شعور ہوتا۔ حکماء کے ہاں

◀ ((لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى وَادِيًا ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ)) (صحیح البخاری، ح: ۶۴۳۶، صحیح مسلم، ح: ۱۰۵۰ و ۱۰۴۸)
’’اگر آدم کے بیٹے کے پاس مال سے بھری دو وادیاں ہوں تو وہ لازماً تیسری وادی کی خواہش کرے گا، اور ابن آدم کے پیٹ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔‘‘ (حاشیہ از مرتب)

ہمیں یقین کے تین درجوں کا ذکر ملتا ہے: علم الیقین‘ عین الیقین اور حق الیقین۔ علم الیقین وہ یقین ہے جو انسان کو علم‘ معلومات یا استدلال کی بنیاد پر حاصل ہو۔ مثلاً آپ نے دور سے دھواں اٹھتا دیکھا تو آپ نے کہا کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے‘ حالانکہ آگ آپ نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی۔ پھر جب آپ نے وہاں جا کر خود اپنی آنکھوں سے آگ کو دیکھ لیا تو آپ کو عین الیقین حاصل ہو گیا۔ لیکن حق الیقین کا درجہ اس سے بھی آگے ہے۔ یقین کا یہ درجہ باقاعدہ تجربے سے حاصل ہوتا ہے‘ اس لیے کہ آنکھ سے دیکھنے میں بھی دھوکے کا امکان ہے۔ ضروری نہیں کہ کوئی چیز جیسی نظر آ رہی ہے حقیقت میں بھی ویسی ہو۔ جیسے آج کل بعض الیکٹرک ہیٹرز میں انگارے دہکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں‘ لیکن جب آپ غور سے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو محض دکھاوے کا منظر ہے اور حرارت کا اصل منبع کہیں اور ہے۔ چنانچہ آگ کے بارے میں آپ کو ’’علم الیقین‘‘ تو محض دھواں دیکھنے سے ہی حاصل ہو گیا۔ پھر جب آپ نے آگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کا یقین ’’عین الیقین‘‘ میں بدل گیا۔ اس کے بعد جب آپ نے آگ کو چھو کر یا اس کے قریب ہو کر اس کی حرارت کو عملی طور پر محسوس کیا تو آگ کی موجودگی کے بارے میں آپ کا یقین ’’حق الیقین‘‘ کے درجے میں آ گیا۔

آیت ۶ ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶﴾ ’’تم جہنّم کو دیکھ کر رہو گے۔‘‘

آیت ۷ ﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷﴾ ’’پھر تم اس کو عین الیقین کے ساتھ دیکھو گے۔‘‘

آیت ۸ ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸﴾ ’’پھر اُس دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارے میں۔‘‘

اُس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک ایک نعمت کے بارے میں تم سے جواب طلبی ہو گی کہ دنیا میں تم نے اُس کی کون کون سی نعمتوں سے استفادہ کیا اور ان کے حقوق کہاں تک ادا کیے۔

❁ ❁ ❁

تنظیمِ اسلامی کے سولھویں سالانہ اجتماع (۱۹۹۱ء) کا اختتامی اجلاس

رفقائے تنظیم کے لیے

امیر تنظیم کا الوداعی تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ ۚ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا ۟ وَمَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ ہَدٰىنَا اللّٰہُ ۚ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡکُمُ الۡجَنَّۃُ اُوۡرِثۡتُمُوۡہَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ (الاعراف)

’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے —— ہم کسی جان کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے مگر اُس کی وسعت کے مطابق —— وہی ہوں گے جنّت والے‘ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔ اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں ہو گا (ایک دوسرے کی طرف سے) کوئی میل اور اُن (کے بالا خانوں) کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ کہیں گے: کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا‘ اور ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔ یقیناً ہمارے ربّ کے رسول حق کے ساتھ آئے تھے۔ اور (تب) انہیں پکارا جائے گا کہ یہ ہے وہ جنّت جس کے تم وارث بنا دیے گئے ہو اپنے اعمال کی وجہ سے۔‘‘

اجتماع کے اختتام پر میں آپ حضرات کو سورۃ الاعراف کی اِن دو آیات کا خصوصی تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص رہنمائی ہے کہ اُس نے مجھے اس موقع پر ان دو آیات کا انتخاب سجھا دیا جو مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس وقت ہمارے لیے بہت مناسبِ حال ہیں۔

اِن دونوں آیات میں یہ اسلوب ملے گا کہ آیت کے اصل مضمون کے درمیان میں ایک ضمنی بات بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں Principal Clause تو یہ ہو گی:

﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...... اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾﴾

’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے .... وہ جنّت والے ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے!‘‘

جبکہ ﴿لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَاۤ﴾ کی حیثیت ایک جملۂ معترضہ یا ضمنی بات کی ہے‘ جو اپنی جگہ انتہائی اہم ہے۔

قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح یہاں بھی ’’اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا‘‘ کے ساتھ ’’وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‘‘ کا ذکر موجود ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہاں ’’اعمالِ صالحہ‘‘ سے مراد کیا ہے! ہمارے ذہنوں میں عملِ صالح کا کچھ اور نقشہ جم گیا ہے۔ اس آیت پر غور کرتے ہوئے سوچیے کہ اس کے نزول کے وقت ’’عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‘‘ کا مطلب کیا تھا۔ سورۃ الاعراف مکی ہے اور اس کے نزول کے وقت تک شریعت کے تفصیلی احکام ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔ نہ شراب حرام تھی‘ نہ سُود حرام تھا۔ اگر اس کا زمانۂ نزول ۱۱ نبوی سے قبل کا ہے تو اُس وقت تک ابھی نماز بھی فرض نہیں تھی اور روزے کا تو وجود ہی نہیں تھا۔ تو ایسے میں عملِ صالح سے کیا مراد تھی؟ اُس وقت اہلِ ایمان کے لیے عملِ صالح کا مفہوم دین کی دعوت و اشاعت‘ اس پر استقامت اختیار کرنا اور رات کو قرآن کے ساتھ جاگنا تھا۔ اس کے علاوہ بنیادی انسانی اخلاقیات مثلاً سچ بولنا‘ ایفائے عہد‘ پاسِ امانت‘ غریبوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ اور بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ اعمالِ صالحہ کے دائرے میں

شامل تھے۔ ان بنیادی انسانی اخلاقیات کو تو اُس معاشرے میں پہلے ہی سے نیکی کے کام سمجھا جاتا تھا‘ لیکن ایمان لانے والوں کو ان کے ساتھ جو اصل کام کرنا پڑتا تھا اس کے تین نمایاں پہلو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) صبر و استقامت‘ یعنی اپنے دعوائے ایمان پر اس طرح مضبوطی سے جم جانا اور ڈٹ جانا کہ شدید ترین تکالیف‘ بدترین تشدد اور persecution سے بھی پاؤں متزلزل نہ ہو سکیں۔

(۲) جس دینِ حق کو خود قبول کیا ہے اس کی طرف دوسروں کو دعوت۔

(۳) اپنی روحانی قوت میں اضافے کے لیے راتوں کو کھڑے ہو کر ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۴﴾ (المزمل) کے حکم پر عمل پیرا ہونا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مقام پر ’’عملِ صالح‘‘ کا یہ مفہوم معین کرتے ہوئے مَیں احکامِ شریعت پر عمل کی نفی نہیں کر رہا۔ اب واقعةً ہماری تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ شریعت پر عمل کرنا ہے‘ لیکن اِس وقت میں آپ کو اس آیۂ مبارکہ کا پس منظر سمجھا رہا ہوں تاکہ ہمارے سامنے نسبت و تناسب واضح ہو جائے۔

اب ہم اس آیت کے درمیان میں آنے والی ’’ضمنی بات‘‘ پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ میں یہ بارہا بیان کر چکا ہوں کہ قرآن حکیم میں اہم ترین حکیمانہ باتیں ضمنی طور پر آئی ہیں۔ یہاں فرمایا گیا:

﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ (الاعراف)

’’ہم کسی جان کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے‘ مگر اُس کی وسعت کے مطابق!‘‘

یعنی عملِ صالح کے ضمن میں یہ خوش خبری حاصل کر لو کہ ہم کسی کو اُس کی استطاعت اور استعداد سے بڑھ کر ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی ضمانت دی ہے کہ ہر شخص سے اُس کی اپنی مقدرت‘ وسعت اور استعداد کے مطابق ہی حساب ہوگا۔ البتہ اس میں یہ خطرہ موجود ہے کہ ہم اپنی وسعت کا صحیح اندازہ نہ کر پائیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم میں دین کا کام کرنے کی صلاحیت و استعداد ہی موجود نہیں ہے‘ جبکہ

دنیا کے لیے ہم خوب بھاگ دوڑ اور محنت و کوشش کر رہے ہوں۔ یہ طرزِ عمل سراسر خود فریبی پر مبنی ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ﴾ (الاعراف)

’’اور کھینچ نکالیں گے ہم ان کے دلوں میں سے جو کچھ بھی (باہمی) کدورت ہوگی‘ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔‘‘

معلوم ہوا کہ دلوں میں رنجش اور کدورت کا پیدا ہو جانا ایک بالکل طبعی اور فطری امر ہے۔ چنانچہ ایک وقت میں صحابہ کرام ؓ کے مابین بھی یہ معاملہ اتنا شدید ہوا کہ باہم قتال کی نوبت آ گئی۔ البتہ جنّت میں داخلے سے پہلے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے دلوں کو ہر قسم کی باہمی کدورت سے پاک فرما دیں گے۔ یہی مضمون سورۃ الحجر میں ان الفاظ میں آیا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۴۷﴾ جس کے بارے میں حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے فرمایا کہ ’’مجھے امید ہے کہ میں‘ عثمان‘ طلحہ اور زبیر ؓ ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے۔‘‘ جب ہم جنّت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں موجود باہمی غِل کو نکال دے گا۔

رفقائے تنظیم کے مابین بھی غِل کا پیدا ہو جانا کوئی غیر طبعی اور غیر فطری بات نہیں ہے‘ البتہ یہ بات بہت ضروری ہے کہ کسی قسم کی کدورت اور خلش کو برقرار نہ رہنے دیا جائے۔ ہر رفیقِ تنظیم کو شعوری طور پر اس کا مراقبہ کرتے رہنا چاہیے۔ سالانہ اجتماع کے اس موقع پر خاص طور سے ہمیں اپنے دلوں کو صاف کر کے جانا چاہیے۔ یہاں تمام رفقاء تین چار روز تک ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران زبان یا عمل سے آپس میں کوئی اونچ نیچ‘ کمی بیشی یا زیادتی ہو گئی ہو۔ چنانچہ خاص طور پر ان چار دنوں میں کوئی غِل اگر کسی درجے میں پیدا ہو گیا ہو تو ہم سب کو اسے شعوری طور پر صاف کر کے یہاں سے رخصت ہونا چاہیے۔

آیت کا اگلا ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:

﴿وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ﴾

''اور وہ کہیں گے: کُل شکر اُس اللہ کا ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی' اور ہم (از خود) ہدایت پانے والے نہ ہوتے اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ بخشی ہوتی۔''

اہلِ جنّت جب جنّت میں داخل ہوں گے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا اور اُس کا شکر و سپاس کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہمارا یہاں تک پہنچ جانا کوئی ہماری اپنی کوشش ومحنت کا نتیجہ نہیں ہے' بلکہ درحقیقت ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہاں پہنچایا ہے۔ اُسی نے راہِ حق کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی' اُسی نے ہمیں اُس راہِ ہدایت پر گامزن رکھا اور اُسی نے گویا انگلی پکڑ کر ہمیں اِس مقام تک پہنچا دیا۔ ہمارے اپنے اعمال تو ایسے نہ تھے جن کی بدولت ہم جنّت کے مستحق بن سکتے۔

یہ قول اصلاً تو اُس مرحلے سے متعلق ہے جب اہلِ جنّت جنّت میں داخل ہوں گے' لیکن یہ اس دنیا میں بھی قدم قدم پر ہمارے پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ چنانچہ جب بھی کوئی خیر میسر آئے' کوئی علمی نکتہ ہاتھ لگے' بھلائی کے لیے کسی درجے میں بھی شرحِ صدر نصیب ہو' الغرض قولاً' عملاً یا علماً نیکی وبھلائی کی کوئی بھی توفیق ملے تو ہمیشہ زبان پر یہ کلمات آ جانے چاہئیں: ﴿الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ﴾ کہ یہ علم ہماری دسترس میں کہاں تھا' اس معرفت اور حکمت تک رسائی ہم کہاں حاصل کر سکتے تھے' یہ نیکی وبھلائی اور یہ ایثار وقربانی ہم سے کہاں بن آ سکتی تھی! یہ تو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اُس کی عطا اور دین ہے۔

اسی حوالے سے مجھے اپنے اسلامی جمعیت طلبہ کے دور کا ایک واقعہ یاد آیا ہے۔ جمعیت کے ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر خرم جاہ مراد صاحب نے (جو اب جماعت اسلامی کے نائب امیر ہیں اور جن سے میرا عزیز داری کا تعلق بھی ہے) اپنی آٹو گراف بک میرے سامنے کر دی۔ میں اگرچہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا' لیکن اُس وقت میں نے اُن کی آٹو گراف بک میں جو الفاظ لکھے تھے وہ خود میرے اپنے دل پر اُسی

وقت نقش ہو گئے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے:

''کبھی کبھی میرا دل ایسے لوگوں کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے جو کبھی تحریک اسلامی کی اوّلین صفوں میں تھے اور آج اسی نسبت سے اس سے دور جا چکے ہیں۔ میں خود ﴿الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ﴾ کے بعد اب ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۸﴾﴾ کا سہارا لیا کرتا ہوں اور اسی کا مشورہ میں اپنے عزیز ترین دوستوں کو دیتا ہوں۔''

مَیں چاہتا ہوں کہ یہی الفاظ آپ بھی اپنے دل پر نقش کر کے اٹھیں۔ آپ کو تنظیم میں آنے کی جو توفیق ملی' ایک جذبہ پیدا ہوا' ایک فکر ذہن کے سامنے آیا' جس پر دل نے گواہی دی' اور آپ اس قافلۂ تنظیم میں شامل ہو گئے' اس کے بعد آپ کے قدم کچھ آگے بڑھے' اس سب پر اللہ کا شکر ادا کیجیے اور ڈریئے اس سے کہ مبادا معنوی ارتداد یا پسپائی کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ تاہم خلوصِ نیت کے ساتھ اختلاف کا پیدا ہونا اور علیحدگی تک کی نوبت آ جانا بالکل دوسری بات ہے۔ اسے پسپائی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص خلوص واخلاص کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے کسی جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے وہ وہاں سے جا کر اُس وقت تک بے چین وبے قرار رہتا ہے جب تک وہ کسی دوسرے متحرک قافلے میں شریک نہیں ہو جاتا یا از خود کوئی قافلہ تشکیل نہیں دے لیتا۔ اس کے برعکس اگر وہ معاشرے میں گم ہو کر رہ جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ کمی کہیں خود اسی میں تھی' ورنہ وہ دین کی اس جِدّ وجُہد سے دست کش نہ ہوتا' اور اس راہ میں اور کچھ نہ کر سکتا تو ع ''بازی اگرچہ پا نہ سکا' سر تو دے سکا'' کے مصداق اپنا سر تو پیش کر سکتا تھا۔ مجھے غالب کے اِس خیال سے ہرگز اتفاق نہیں ہے جو اُس نے اپنے اس شعر میں پیش کیا ہے کہ ؎

وفا کیسی' کہاں کا عشق' جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟

میرا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب سر ہی پھوڑنا ہے تو پھر کہیں اور جا کر کیوں پھوڑیں؟ اسی ’’سنگِ آستاں‘‘ پر ہی کیوں نہ پھوڑیں؟ زندگی میں ہر کسی کو سر ہی تو پھوڑنا ہوتا ہے۔ اگر کسی کاروبار‘ ملازمت یا کسی اور دھندے میں سر پھوڑنا ہے تو کیوں نہ دین کے لیے سر پھوڑا جائے! کاروبار اور تجارت میں کتنے لوگ کامیاب ہوتے ہیں؟ سرتوڑ محنت اور کوشش تو سبھی کرتے ہیں‘ لیکن ان میں کوئی ایک ہی کروڑ پتی بنتا ہے‘ جبکہ کتنے ہی لوگ تجارت میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپ بھی دین کی جدّوجُہد میں اگر بظاہر ناکام ہو جائیں اور آپ کی جُہد وکوشش کا کوئی نتیجہ نکلتا نظر نہ آئے تو کوئی پروا نہیں۔ لوگ دنیا کی خاطر سر پھوڑتے ہیں‘ آپ دین کی خاطر پھوڑیں۔ اس راہ کو چھوڑ کر اور کہاں جانا ہے!

بہرحال اس جدّوجُہد میں ایک تو یہ احساس مدِّنظر رہنا ضروری ہے کہ اللہ ہی نے ہمیں اس کی توفیق دی‘ ہم اس قابل نہ تھے۔ اُس نے غیب سے ہمارے لیے اسباب فراہم کر دیے اور راہِ حق کی طرف ہماری رہنمائی فرمادی۔ دوسرے یہ کہ اب ہمارا تکیہ اور سہارا اپنی صلاحیت‘ لیاقت‘ استقامت اور بہادری پر نہ ہو‘ بلکہ اس راہ پر مستقیم رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی جائے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸﴾ (آل عمران) یعنی اے پروردگار! جب تو نے ہی ہمیں ہدایت عطا کی ہے تو اس کے بعد اب ہمارے دلوں کو کج نہ کر دیجیو اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کیجیو۔ بے شک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے مابین ہیں۔ چنانچہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے: ’’یَا مُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ، یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰی طَاعَتِکَ‘‘۔

زیر نظر آیت کا اگلا ٹکڑا پیش کر رہا ہوں:

﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ﴾

’’یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر ہی آئے تھے۔‘‘

کاش کہ ہم میں سے ہر ایک کا دل اس پر صد فیصد یقین کے ساتھ گواہی دے سکے کہ ہاں محمد ﷺ حق ہیں! اور قرآن حق ہے! آنحضور ﷺ کی تہجد کی دعاؤں میں سے یہ دعا میں آپ کو کئی مرتبہ سنا چکا ہوں کہ آپؐ کہا کرتے تھے: ((اَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَلِقَائُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ، وَالْقُرْآنُ حَقٌّ)) اگر دل یہ گواہی دے رہا ہے تو کیا کہنے! ایسا دل مبارک باد اور تہنیت کے لائق ہے!

اہلِ جنّت کو اب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو جواب ملے گا وہ آیت کے آخری ٹکڑے میں بیان کر دیا گیا ہے:

﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳﴾

’’اور وہ ندا دیے جائیں گے کہ یہ ہے وہ جنّت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اُن اعمال کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔‘‘

یہ جواب اللہ تعالیٰ کی شانِ شکوری کا مظہر ہے کہ جنّت کو اہلِ جنّت کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے۔ اگرچہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنے عمل کو حقیر سمجھیں اور راہِ حق میں جو کچھ بھی جہد وکوشش ہم سے بن آئے اسے اللہ تعالیٰ ہی کا فضل وکرم اور اس کی توفیق و تیسیر قرار دیں‘ تاہم اللہ تعالیٰ کی قدردانی اور قدر افزائی کا مظہر ہے کہ وہ اپنے بندے کے اعمال کا حوالہ ہی دے گا کہ محنت اور جدّوجُہد تم نے کی تھی‘ میرے راستے میں ایثار وقربانی تم نے کی تھی‘ ہماری توفیق و تیسیر ضرور تمہارے شامل حال رہی اور ہم نے تمہاری کوتاہیوں کی تلافی بھی کی‘ لیکن تمہیں جس انعام واکرام سے نوازا جا رہا ہے یہ تمہارے اپنے اعمال ہی کا نتیجہ ہے۔

دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جن کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ آمین! وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○○

(میثاق: مارچ ۱۹۹۱ء)

حزب اللہ کی تشکیل کیسے ہو؟

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

کا سالانہ اجتماع ۲۰۱۷ء میں اختتامی خطاب

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر ہے کہ اُس نے ہمیں اشرف المخلوقات یعنی انسان بنایا' اور احسان در احسان یہ کہ مسلمانوں میں پیدا کیا' محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے امتی بننے کا شرف عطا فرمایا اور دین کے تقاضوں کا واضح اور جامع شعور عطا فرمایا۔ بانیٔ محترم رحمہ اللہ جیسے بے لوث اور قرآن میں غوطہ زن دینی رہنما ہمیں عطا فرمائے۔ بانیٔ محترمؒ کے ذریعے دینی ذمہ داریوں اور تقاضوں کا واضح اور جامع تصور ہم پر منکشف اور واضح فرمایا۔ بانیٔ محترمؒ کے ذریعے قرآن حکیم جو کہ حبل اللہ ہے اور جو اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے' اس عظیم نعمت کے ساتھ ایک علمی' قلبی اور جذباتی تعلق ہمارے اندر موجزن کر دیا۔ بانیٔ تنظیمؒ کی پکار ''مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ '' کے جواب میں بیعت کی منصوص اور مسنون اساس پر ایک دینی جماعت جس کا قرآنی نام یا عنوان ''حزب اللہ'' ہے' کا رکن/حصہ بننے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائی اور اس حزب اللہ کے ذریعے اللہ کے دین اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اعلیٰ ترین عادلانہ نظام کے غلبہ وقیام کی جِدّو جُہد میں شمولیت کا شرف عطا فرمایا۔

اللہ ربّ العزت کے ان تمام عظیم احسانات کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ اپنے ہم اندر حزب اللہ کے اوصاف پیدا کریں۔ اس تناظر میں ''اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ '' کے قرآنی الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے عرض کروں گا کہ بلاشبہ سب سے بڑھ کر شکر تو ہمیں ہر صورت اللہ تعالیٰ ہی کا ادا کرنا ہے اور پھر دینی وفکری حوالے سے جس شخص نے ہمیں

قرآن حکیم سے جوڑا اور دینی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے آگہی میں ہمارے مربی اور عظیم محسن کا کردار ادا کیا' اس کا شکر ادا کرنا یعنی ان کی وفات کے بعد اب ان کے حق میں مسلسل دعائے خیر کو اپنا معمول بنانا ہم سب پر لازم ہے۔ اس لیے کہ میرے لیے تو وہ محض فکری ومعنوی ہی نہیں' حقیقی والد کا درجہ رکھتے ہیں جبکہ دیگر تمام رفقاءِ تنظیم کے حوالے سے انہیں فکری ومعنوی والد کا مقام حاصل ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمتِ دینی وقرآنی کو اتنی پزیرائی عطا فرمائی ہے کہ آج ان کی وفات کے سات برس بعد بھی ان کی زبان سے قرآن کا پیغام اور دینی افکار کی ترویج و اشاعت بھرپور طور پر جاری ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ آج بھی اللہ تعالیٰ نے بانیٔ محترمؒ کی پُرتاثیر اور forceful زبان سے قرآن کے پیغام کو بہت وسیع پیمانے پر پھیلانے کا انتظام کر رکھا ہے' جس کی ایک نہایت اہم مثال Peace TV کے ذریعے بانیٔ محترمؒ کی زبان سے ''بیان القرآن'' کی نشر واشاعت ہے۔ بہرکیف آج بھی لاکھوں افراد براہ راست بانیٔ محترمؒ کی زبان سے قرآن کا پیغام اہتمام سے سنتے ہیں۔

بلاشبہ وہ ہم سب کے لیے ایک عظیم محسن کا درجہ رکھتے ہیں۔ غلبہ واقامتِ دین کے عظیم مشن کے ساتھ ان کی کمٹمنٹ مثالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دینی بصیرت اور دینی شعور بھی بے پناہ عطا فرمایا تھا اور زبان وبیان کی غیر معمولی صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ تاہم' وہ ایک انسان تھے' معصوم عن الخطا نہیں تھے۔ بعض خالص علمی نوعیت کے issues میں ان کی کسی رائے سے جزوی یا کلی اختلاف کیا جاسکتا ہے' اور اس امر کا واضح الفاظ میں اعلان وہ مختلف مواقع پر فرماتے بھی رہے' کہ بعض خالص علمی (academic) ایشوز میں ان کی آراء سے اتفاق کرنا رفقاءِ تنظیم کے لیے ضروری نہیں بلکہ اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ وفات سے چند روز قبل فیصل آباد کے تربیتی اجتماع میں تنظیمی ذمہ داران کی ایک بڑی تعداد کے سامنے انہوں نے برملا اس بات کا اظہار فرمادیا تھا' اور تین امور کا وضاحت سے ذکر بھی فرمایا تھا کہ ان میں بانیٔ تنظیمؒ کی رائے سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے: (i) مسئلہ وحدت الوجود (ii) مسئلہ ارتقا (iii) ملکی سیاست پر اگرچہ ان کی نگاہ بڑی گہری تھی' تاہم

وہ خود فرماتے تھے کہ سیاسی حوالوں سے ان کی آراء سے اتفاق رکھنا لازم نہیں ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَ اَدْخِلْهُ فِیْ رَحْمَتِکَ وَ حَاسِبْهُ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

رفقاءِ محترم! بانیٔ محترمؒ نے اقامتِ دین کی جدّ وجُہد کے حوالے سے ہماری علمی و فکری رہنمائی کے لیے تفصیلی لٹریچر مرتب فرمایا۔ اس میں ”عزم تنظیم“، ”فرائض دینی کا جامع تصوّر“، ”اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت“، ”تنظیم اسلامی کا تعارف“، ”قرار دادِ تاسیس اور اس کی توضیحات“ اور ”تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر“ وغیرہ بہت بنیادی اہمیت کی حامل کتب ہیں۔ تنظیم کے لٹریچر میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا اور بانیٔ محترمؒ کے خطابات اور تصانیف کی صورت میں نہایت قیمتی علمی وفکری ہی نہیں بلکہ اہم عملی وتحریکی رہنمائی پر مشتمل مضامین اور کتابیں تنظیم کے مستقل لٹریچر کا حصّہ بنیں۔ ان میں دو کتابیں نہایت اہم اور قابلِ قدر ہیں:

(۱) منہج انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

(۲) حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامور کا باہمی تعلق

پہلی کتاب ”منہج انقلابِ نبویؐ“ غلبہ و اقامتِ دین کی جدّ وجُہد کے مراحل کو سمجھنے کے حوالے سے کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ جدّ وجُہد جسے ”رب کی دھرتی‘ رب کا نظام“ بھی کہا جاسکتا ہے‘ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک انقلابی جدّ وجُہد ہے۔ اس کتاب کا اصل فوکس مراحلِ انقلاب کی علمی وضاحت اور ہر مرحلے کے حوالے سے عملی رہنمائی دینا ہے۔ انقلاب کے مراحل کون کون سے ہیں؟ ہر مرحلے کے حوالے سے strategy اور حکمت عملی کیا ہوگی؟ ہر مرحلے کے عملی تقاضوں کا واضح شعور؟ ان حوالوں سے یہ کتاب ایک کلیدی رول رکھتی ہے اور نہایت قیمتی علمی دستاویز ہے۔

دوسری کتاب کا عنوان ہے: ”حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مامور کا باہمی تعلق۔“ اس کو منتخب نصاب ۲ بھی قرار دیا گیا۔ یہ گویا تنظیمی زندگی کے ہر گوشے سے متعلق تفصیلی رہنمائی پر مشتمل ہے۔ خصوصاً تنظیم کے ارکان کے ذاتی اوصاف کیسے ہونے چاہئیں؟ ان کے معمولات کیا ہونے چاہئیں؟ ذاتی کردار کیسا ہونا چاہیے؟ ذاتی تعلق مع

اللہ کی اس مرحلے پر کیا اہمیت ہے؟ تنظیم سازی کی بنیاد کیا ہو؟ رفقاء کے آپس کے تعلقات کیسے ہوں؟ دعوت کا ذریعہ کس کو بنایا جائے؟ دعوت کے کام میں کس کو مقدم رکھا جائے؟ مخالفت کی صورت میں رفقاءِ تنظیم کا طرزِ عمل کیا ہو؟ قرآن حکیم کے ساتھ ہر رفیق کا قلبی تعلق کس درجے کا ہو؟ تعلق مع اللہ کے لیے اسے کیسی اور کتنی کوشش کرنی چاہیے؟ امیر و مامور کے باہمی تعلقات کیسے ہوں؟ وغیرہ۔ یہ وہ رہنمائی ہے جو ہم سب کو ابتدائی مراحل میں درکار رہے۔ تنظیمی امور کے حوالے سے یہ سب سے زیادہ قیمتی رہنمائی ہے۔

رفقاءِ محترم! انقلاب کے بنیادی مراحل گنتی میں چھ ہیں۔ ان چھ میں سے پہلے چار بیک وقت متوازی طور پر‘ side by side چلتے ہیں۔ یعنی دعوت‘ تربیت وتزکیہ (جہاد بالنفس)‘ تنظیم سازی اور صبرِ محض۔ یہ ابتدائی مرحلہ کب تک جاری رہے گا یا یہ مراحل کب تک جاری رہیں گے؟ آنحضورﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نبوت کے ابتدائی ۱۵ برس تک جب کہ حضرت نوح علیہ السلام کی حیات میں یہ ۹۵۰ برس تک جاری رہے‘ بلکہ وہاں تو اگلا مرحلہ آیا ہی نہیں! قوم کے اس طرزِ عمل پر آخر کار پوری قوم کو طوفان میں غرق کر دیا گیا اور عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔ وہ چند لوگ جو ایمان لائے تھے‘ انہیں بچالیا گیا اور انہی سے آگے نسلِ انسانی کا تسلسل قائم ہوا۔ ہماری تحریک کے حوالے سے اگلا مرحلہ کب آئے گا؟ واضح رہے کہ وحی کی رہنمائی ہمیں حاصل نہیں ہے۔ اب یہ ہمارا اپنا اجتہاد ہوگا۔ پاکستان کے طول وعرض اور مجموعی آبادی کو دیکھتے ہوئے بانیٔ محترمؒ نے اگلے مراحل میں قدم رکھنے کے حوالے سے دو لاکھ committed افراد یعنی حقیقی معنوں میں ملتزم رفقاء کا ہونا لازمی قرار دیا تھا۔ دیکھیے ہمیں realistic ہونا چاہیے۔ موجودہ تعداد کیا ہے؟ committed افراد کتنے ہیں؟ سب بخوبی جانتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ کی رحمت سے نااُمید نہیں ہونا چاہیے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ہمیں ایک طویل سفر طے کرنا ہے اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس جدّ وجُہد کو اللہ کی نصرت کی اُمید پر جاری رکھنا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارا اصل کام‘ ہمارا اصل فوکس‘ ہماری priority اس پر ہو کہ ہمارے اندر حزب اللہ والے اوصاف پیدا ہوں۔ اگر ہم یہ کام نہیں کرتے تو ہم بزعمِ خویش

ایک انقلابی پارٹی تو ہو سکتے ہیں‘ لیکن ’’حزب اللہ‘‘ نہیں بن سکتے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لیجیے کہ اگر ہم اپنے اندر ’’حزب اللہ‘‘ کے مطلوبہ اوصاف پیدا نہ کر سکے یعنی ذاتی تربیت وتزکیہ کی کم ازکم شرائط کو پورا نہ کر سکے اور دعوت بذریعہ قرآن کے کام کو مؤثر طور پر انجام نہ دے سکے‘ مزید برآں تنظیم کے نظم سے وابستگی کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکے تو ہمارا شمار عام معنوں میں انقلابی پارٹی میں تو ہو سکتا ہے‘ ’’حزب اللہ‘‘ میں نہیں ہوگا‘ قطع نظر اس کے کہ ہمیں دنیا میں کامیابی نصیب ہو یا نہ ہو!

لہٰذا میری آپ سب سے تہ دل کے ساتھ گزارش ہے کہ ’’حزب اللہ‘‘ کا حصہ بننے کے اس ٹارگٹ کے حصول کو اپنی اولین ترجیح بنا لیں اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی میں سرگرم عمل ہو جائیں۔ بانیٔ محترمؒ اسی مرحلے کو فرائض دینی کی سہ منزلہ عمارت کی تشریح میں پہلی اور اہم ترین منزل قرار دیتے تھے۔ اس کے لیے دینی اصطلاح ’’عبادتِ رب‘‘ یعنی رب کی مکمل غلامی اختیار کرنا ہے۔ اسی کا دوسرا نام جہاد مع النفس ہے‘ یعنی اپنے وجود پر اللہ کے دین کو قائم کرنے کی خاطر نفس سے مسلسل کشمکش۔ یاد رکھیے کہ اگر اس سطح پر ہم نے کوتاہی کا معاملہ کیا تو ہماری یہ تحریک بے جان جسد کی صورت میں رہے گی۔ لہٰذا نظم کے ذمہ داروں سے بھی میری گزارش ہوگی کہ تنظیمی اجتماعات بالخصوص مقامی تنظیموں کے ماہانہ تربیتی پروگراموں میں حزب اللہ کے اوصاف کے مذاکرے کو ترجیح دیں اور اس کی تکرار کو جاری رکھیں۔ تنظیم کا ہر رفیق بھی اپنی جگہ اپنے اندر حزب اللہ والے اوصاف پیدا کرنے کی شعوری جِدّوجُہد کرے۔ مَیں اللہ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اگر ہم اسی انداز میں اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کو آگے بڑھائیں گے تو اگر آج بھی موت آ گئی تو ان شاء اللہ‘ اللہ کے ہاں ہمارا شمار مجاہدین اور شہداء میں ہوگا۔ اصلاً یہی ہمارا حاصل زندگی ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا!

رفقاءِ محترم! ہمارے اس سالانہ اجتماع میں عنوانات کا‘ مضامین کا اور خطابات کا ایک تنوع تھا اور کوشش یہ کی گئی کہ تنظیم وتحریک سے متعلق تمام اہم گوشوں کا احاطہ کر لیا جائے تاکہ ہمارے تنظیمی سفر کی ایک یاد دہانی ہو جائے۔ یعنی اس اڑھائی روزہ اجتماع میں تمام ہی اہم مضامین دوبارہ ہمارے سامنے آ جائیں۔ الحمدللہ‘ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہماری

مدد کی اور بہت حد تک کام پورا ہوا ہے۔ البتہ ایک گوشہ کسی قدر تشنہ رہ گیا تھا اور وہ ہے تحریک کا آخری مرحلہ۔ آخری مرحلہ آنحضورﷺ کی سیرت میں بڑا واضح ہے۔ وہ تو جہاد وقتال کا مرحلہ تھا۔ آنحضورﷺ کی جدّوجُہد میں یقینی طور پر قتال کا مرحلہ بھی شامل تھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لفظ جہاد کے ساتھ بھی بالعموم تلوار کا نشان بنا ہوتا ہے‘ گویا جہاد اور تلوار لازم وملزوم ہیں۔ لیکن یاد رکھیے کہ جہاد تلوار کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مکی دور میں ہاتھوں کو بندھے رکھنے کا حکم تھا‘ تلوار کے استعمال کی اجازت نہیں تھی۔ سارا زور قرآن کے ذریعے رب کا پیغام قریشِ مکّہ تک پہنچانے پر تھا۔ سورۃ الفرقان میں اسی جدّوجُہد کو ’’جہادِ کبیر‘‘ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں پاکستان میں ہمارا منہج بانی محترمؒ نے واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ہم تلوار نہیں اُٹھا سکتے‘ اس لیے کہ اس کی شرائط اتنی کڑی ہیں کہ وہ آج پوری نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا جہاد وقتال اس معنی میں کہ قوت کا استعمال ہتھیار کے ذریعے سے کیا جائے گا‘ یہ اس وقت ہمارا منہج نہیں ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا منہج کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی اکرمﷺ نے غلبہ واقامتِ دین کے لیے جو لائحہ عمل اختیار فرمایا اس کے آخری مراحل میں ’’جہاد بالسیف‘‘ یعنی قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے باطل نظام کو شکست دے کر جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کے دین کو غالب وقائم فرمایا۔

پاکستان میں اس وقت جو دینی جماعتیں غلبہ واقامتِ دین کے جدّوجُہد میں سرگرم عمل ہیں‘ وہ تقریباً سب کی سب جماعت اسلامی کی پیروی میں انتخابی سیاست کی راہ سے نفاذِ اسلام کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ البتہ گزشتہ ۷۰ سال کے تجربات بتاتے ہیں کہ یہ راستہ نفاذِ اسلام اور غلبۂ دین کے لیے قطعی طور پر مؤثر نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اغیار کے اس پراپیگنڈا سے کہ ع ’’بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے‘‘ متاثر ہو کر آج ہمارے بہت سے مذہبی دانشور یہ کہنے لگے ہیں کہ تلوار صرف مدافعت میں اٹھائی گئی تھی‘ اور یہ کہ ہجرت کے نتیجے میں ہی دینِ اسلام غالب ہو گیا تھا۔ بانی محترمؒ نے اپنی تصانیف میں اس نکتے کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور قرآن کے واضح

اشارات بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ ہجرتِ مدینہ کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ میسر آئی اور ایک ایسا مرکز فراہم ہو گیا تھا کہ وہاں رہ کر اپنے اصل مشن غلبۂ دین کے لیے بہتر طور پر جدّوجُہد کر سکتے تھے۔ اسی کے نتیجے میں بالآخر بیت اللہ کو ۳۶۰ بتوں کی نجاست سے پاک کرنے کے بہتر مواقع حاصل ہوئے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے غلبہ وقیام کا آغاز فتح مکہ سے ہوا تھا' نہ کہ ہجرتِ مدینہ سے۔

چنانچہ ہمارا موقف یہ ہے کہ حضورﷺ کی ۲۳ سالہ جدّوجُہد کے پہلے دور یعنی دورِ مکی میں ہاتھ اٹھانے اور قوت کے استعمال کی اجازت نہیں تھی لیکن ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیے گئے اور ۲ ہجری میں مسلمانوں پر قتال فرض کر دیا گیا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۱۶)

''(مسلمانو!) اب تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے اور وہ تمہیں گراں گزر رہی ہے۔''

یہ سب چیزیں بالکل واضح ہیں جن کا کسی صورت میں انکار کیا جا سکتا ہی نہیں۔ ہمارا معاملہ اس لیے مختلف ہے کہ یہاں پاکستان میں ہمارا مقابلہ کفار سے نہیں ہے' یہاں عظیم اکثریت مسلمانوں کی ہے اور بدقسمتی سے دین حق کے نفاذ کی رکاوٹ بننے والے بھی کلمہ گو ہیں۔ مسلمانوں پر ہتھیار اُٹھانا بلاشبہ نہایت سنگین معاملہ ہے اور اس کی بڑی کڑی شرائط ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں ہتھیار نہیں اُٹھائیں گے۔ اس کے متبادل آج کے دور میں تبدیلی کا ایک مؤثر راستہ یعنی تحریک کی آپشن موجود ہے۔ چند ماہ قبل ملی یکجہتی کونسل کے سربراہی اجلاس میں میرا خطاب اسی موضوع پر ہوا تھا' جس میں وضاحت کے ساتھ مجھے اپنا موقف بیان کرنے کا موقع میسر آیا۔ میرا وہ مقالہ ''میثاق'' اور ''ندائے خلافت'' میں شائع ہو چکا ہے۔ دورِ حاضر میں اس کی مثالیں بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایک نہایت اہم مثال انقلابِ ایران کی ہے۔

اُس دور میں ایران کے بادشاہ رضا شاہ پہلوی کو ایشیا میں امریکہ کے نمائندے کی حیثیت حاصل تھی۔ ایشیا میں سب سے بڑا اسلحہ خانہ اسی کا تھا اور اس کی آرمی بھی سفاکیت میں ایک مثال تھی۔ اس کے باوجود عوام شہنشاہی نظام کے خلاف قربانی دینے کے لیے اُٹھ

کھڑے ہوئے۔ نفاذِ اسلام کے لیے سڑکوں پر آ گئے۔ انہوں نے ہر طرح کا جبر برداشت کیا' لیکن خود مشتعل نہیں ہوئے بلکہ ہزاروں نے اپنی جانیں قربان کیں۔ بالآخر رضا شاہ کو ذلت کے ساتھ فرار ہونا پڑا اور وہاں ایک بہت بڑا انقلاب ظہور پزیر ہوا۔ یہ موجودہ دور کی بہت بڑی مثال ہے۔

پاکستان میں بھی جزوی طور پر اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں جب قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی تھی تو بالآخر حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور ایک ناممکن کام بھی ممکن ہو گیا تھا۔ آج بھی پوری دنیا زور لگا رہی ہے کہ پاکستان کے دستور میں جو طے کر دیا گیا ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں تو اس شق کو ختم کیا جائے۔ پاکستان پر اس حوالے سے بڑا شدید پریشر ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حال ہی میں چوری چھپے انتہائی مجرمانہ انداز میں کچھ شقوں میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ اس حوالے سے اب بھی ہماری حکومت پر باہر کا دباؤ شدید ہے' لیکن عوامی تحریک کے نتیجہ میں یہ حکام کے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔ اسی طرح آج سے پانچ سال پہلے تحفظ ناموس رسالت کی تحریک چلی جس میں تنظیم اسلامی نے بھی بحمد اللہ بھرپور حصہ لیا تھا' اور وہ تحریک بھی کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

ہماری اس رائے کے حوالے سے ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ ۲۰۱۰ء میں جامعہ اشرفیہ میں علماء دیوبند کا ایک بہت بڑا اجلاس ہوا تھا جس میں انہوں نے سر جوڑ کر غور کیا تو وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے کہ پاکستان میں اللہ کا دین صرف ایک بھرپور عوامی تحریک سے ہی قائم کیا جا سکتا ہے۔ یہ فیصلہ بھی تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح تازہ ترین صورتِ حال بھی آپ کے سامنے ہے کہ ختم نبوت کے حوالے سے حکومتی بدنیتی کے خلاف جو مظاہرے ہوئے ہیں تو حکومت گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہو گئی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جہاد و قتال بھی مسلّمہ حقیقتیں ہیں جن کا ہم انکار نہیں کر سکتے لیکن ان کا موقع محل اور ہے' جبکہ پاکستان میں اقامتِ دین کا ہمارے نزدیک مناسب ترین اور مؤثر ترین راستہ تحریک کا ہے' جو ہم بحمد اللہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

❀❀❀

سیرتِ رحمۃٌ لِّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
بزبانِ ربّ العالمین

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم الشان کلام ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے آخری رسول محمد عربی ﷺ پر نازل فرمایا گیا۔ یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے' جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ (الحجر) ''یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

قرآن کریم کی سب سے پہلی آیات جو حضور اکرم ﷺ پر غارِ حرا میں نازل ہوئیں وہ سورۃ العلق کی ابتدائی آیات ہیں:

﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ﴿۳﴾﴾

''پڑھو اپنے اُس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو اُس جونک کی طرح کی چیز سے پیدا کیا جو رحمِ مادر میں چمٹ گئی تھی۔ پڑھو' اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے۔''

اس پہلی وحی کے نزول کے بعد تقریباً تین سال تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا۔ تین سال کے بعد وہی فرشتہ (جبریلِ امین علیہ السلام) جو غارِ حرا میں آیا تھا' آپ ﷺ کے پاس آیا اور سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات نازل فرمائی گئیں:

﴿یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ الرُّجۡزَ فَاہۡجُرۡ ۪ۙ﴿۵﴾﴾

''اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو۔ اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور ہر قسم کی گندگی سے کنارہ کش رہو۔''

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کی وفات تک وحی کے نزول کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری رہا۔

خالقِ کائنات نے اپنے حبیب رسولِ مکرم ﷺ کو قرآن کریم میں عمومی طور پر یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ، یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ، یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ اور یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ جیسی صفات سے خطاب فرمایا ہے' حالانکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے نام سے بھی مخاطب کیا ہے۔ قرآن کریم میں صرف چار جگہوں پر اسم مبارک ''محمد'' اور ایک جگہ اسم مبارک ''احمد'' آیا ہے۔

قرآن کریم میں اسم مبارک محمد (ﷺ) کا ذکر

(۱) ﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں' ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''

(۲) ﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''(مسلمانو!) محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔''

(۳) ﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۲﴾﴾ (محمد)

''اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں اور ہر اُس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے' اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے' اللہ نے ان کی برائیوں کو معاف کر دیا ہے اور ان کی حالت سنوار دی ہے۔''

(۴) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ﴾ (الفتح: ۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔''

قرآن کریم میں اسم مبارک احمد (ﷺ) کا ذکر

﴿وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ﴾ (الصف: ۶)

''اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: اے بنی اسرائیل! مَیں تمہارے

پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی' میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اُس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا' جس کا نام احمد ہے۔''

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ ہی میں حضور اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق فرما دی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کا عالی مقام ومرتبہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو ایسا عظیم الشان مقام عطا فرمایا ہے کہ کوئی بشر حتیٰ کہ نبی یا رسول بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ﴿۴﴾﴾ (الم نشرح)

''(اے پیغمبر ﷺ!) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا ہے' جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے۔''

دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں لاکھوں مساجد کے میناروں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت نہ دی جاتی ہو اور کروڑوں مسلمان نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجتے ہوں۔ غرضیکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ کا نام نامی لکھا' بولا' پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

صاحبِ حوضِ کوثر ﷺ

خالقِ کائنات نے صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ حوضِ کوثر عطا فرما کر قیامت کے روز بھی ایسے بلند واعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا ہے جو صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾﴾ (الکوثر)

''(اے پیغمبر ﷺ!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے۔ لہٰذا تم اپنے

پروردگار کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ یقین جانو تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے (یعنی جس کی نسل آگے نہ چلے گی)۔''

''کوثر'' جنت کے اُس حوض کا نام ہے جو نبی اکرم ﷺ کے تصرف میں دیا جائے گا اور آپ ﷺ کی اُمّت کے لوگ اس سے سیراب ہوں گے۔ حوض پر رکھے ہوئے برتن آسمان کے ستاروں کی مانند کثیر تعداد میں ہوں گے۔

درود وسلام

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زمین میں بلکہ آسمانوں پر بھی اپنے نبی کو بلند مقام سے نوازا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾﴾ (الاحزاب)

''بے شک اللہ تعالیٰ نبی پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور فرشتے نبی کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود وسلام بھیجا کرو۔''

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے اس مقام کا بیان ہے جو آسمانوں میں آپ ﷺ کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر فرماتا ہے اور بے حد وحساب رحمتیں بھیجتا ہے جبکہ فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندیٔ درجات کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا' اللہ تعالیٰ اس پر ۱۰ مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا۔'' (مسلم)

فرمانِ رسولؐ: حکمِ ربی

کیسا عالی شان مقام حضور اکرم ﷺ کو ملا کہ آپؐ کا کلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا تھا۔ قرآن مجید کی رو سے:

﴿وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴿۴﴾﴾ (النجم)

''اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے' یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔''

لوگوں کے لیے فکرِ ہدایت

حضورِ اکرم ﷺ لوگوں کی ہدایت کی نہایت فکر فرماتے‘ جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ③﴾ (الشعراء)

’’(اے پیغمبر ﷺ!) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کیے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے!‘‘

ہمارے نبی ﷺ کافروں اور مشرکوں کو ایمان میں داخل کرنے کی دن رات فکر فرماتے اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش فرماتے‘ لیکن آج بعض مسلمان اپنے ہی بھائیوں کو ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے کافر اور مشرک قرار دینے میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں۔

نبیٔ رحمت ﷺ

ربّ العالمین نے اپنے آخری نبی کو ’’رحمةٌ لِلمُسلِمِین‘‘ یا ’’رحمةٌ لِلعَرب‘‘ نہیں بنایا بلکہ ’’رحمةٌ لِلعالَمِین‘‘ بنایا ہے‘ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ (الانبیاء)

’’اور (اے پیغمبر ﷺ!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

جس نبی مکرم ﷺ کو سارے جہان کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہو‘ اُس نبی کی تعلیمات میں دہشت گردی کیسے مل سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے ہمیشہ امن وامان کو قائم کرنے کی تعلیمات ہی دی ہیں۔

خاتم النّبیین ﷺ

حضورِ اکرم ﷺ نبی ہونے کے ساتھ خاتم النّبیین بھی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جاری نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہو گیا‘ یعنی اب کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

’’(مسلمانو!) محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں‘ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔‘‘

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ، لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ)) ’’میں آخری نبی ہوں‘

میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔‘‘ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا

جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا‘ حضورِ اکرم ﷺ آخری نبی ہیں‘ یعنی آپؐ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نبی بنایا گیا ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا۔ متعدد قرآنی آیات میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے‘ یہاں صرف دو آیات پیش ہیں:

﴿قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَۨا الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ﴾ (الاعراف: ۱۵۸)

’’(اے رسول ﷺ! ان سے) کہو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔‘‘

اور:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا﴾ (سبا: ۲۸)

’’اور (اے پیغمبر ﷺ!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لیے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے اور خبردار بھی کرے۔‘‘

اُسوۂ حسنہ: تمام بنی نوعِ انسان کے لیے

چونکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا ہے‘ اس لیے آپؐ کی زندگی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنائی گئی۔

﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ﴿ؕ۲۱﴾﴾ (الاحزاب)

’’حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے اُمید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔‘‘

حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے نمونہ ہے‘ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم آپ ﷺ کی سُنّتوں پر عمل کریں۔ آج ہم سُنّتوں پر یہ کہہ کر عمل نہیں

کرتے کہ وہ فرض نہیں ہیں۔ سُنّت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم اسے ہلکا جان کر اس پر عمل نہ کریں بلکہ ہمیں تو اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر قربان ہو جانا چاہیے۔ افسوس و فکر کی بات ہے کہ آج سُنّت کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ حضور اکرم ﷺ کی سُنّت کے متعلق مذاق کرنا انسان کی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفی ﷺ کی تمام سنتوں کو آج بھی زندہ کر رکھا ہے‘ اگر ان پر اجتماعی طور پر نہیں تو انفرادی طور پر ضرور عمل ہو رہا ہے۔ داڑھی رکھنا نہ صرف ہمارے نبی ﷺ کی سُنّت ہے بلکہ آپؐ کے اقوال و افعال کی روشنی میں پوری اُمّتِ مُسلمہ کا اتفاق ہے کہ داڑھی رکھنا ضروری ہے مگر آج ہمارے بعض بھائی داڑھی کا مذاق اڑا کر اپنی ہلاکت و بربادی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا اتباع

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے اسوہ میں دونوں جہاں کی کامیابی و کامرانی مضمر رکھی ہے‘ لہٰذا آپ ﷺ کے اتباع کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ (آل عمران)

’’(اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو‘ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ کہیں فرمایا: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾‘ کہیں فرمایا: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾‘ کسی جگہ ارشاد ہے: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ اور کسی آیت میں ارشاد ہے: ﴿اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾۔ ان سب مقامات پر بندوں سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرو اور ارشادِ نبوی ﷺ کی اطاعت کرو۔ غرضیکہ یہ بات واضح طور پر بیان فرما دی گئی کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾

’’جس نے رسول کی اطاعت کی اُسی نے اللہ کی فرماں برداری کی۔‘‘

قرآن کے مفسّرِ اوّل

اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴﴾ (النحل)

’’یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو حکم نازل فرمایا گیا ہے‘ آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں‘ شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔‘‘

اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ﴾

(النحل:۶۴)

’’یہ کتاب ہم نے آپؐ پر اس لیے اُتاری ہے تاکہ آپؐ ان کے لیے ہر اُس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیات میں واضح طور پر بیان فرما دیا کہ قرآن کریم کے مفسرِ اول نبی اکرم ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ اُمّتِ مُسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام و مسائل کھول کھول کر بیان کریں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعہ قرآن کریم کے احکام و مسائل بیان کرنے کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم‘ تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال یعنی حدیث نبوی کے ذخیرہ سے قرآن کریم کی پہلی اہم اور بنیادی تفسیر انتہائی قابلِ اعتماد ذرائع سے اُمّتِ مُسلمہ کو پہنچی ہے‘ لہٰذا قرآن فہمی حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

تاریخ کا طویل ترین سفر

تاریخ انسانی کے سب سے لمبے سفر (اسراء ومعراج) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بیان فرمایا ہے جس میں آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ کے سفر کو ’’اسراء‘‘ کہتے ہیں:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ

الْاَقْصَا﴾ (بنی اسرائیل:۱)

’’پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے (ﷺ) کو مسجد حرام سے مسجد اَقصیٰ (دُور کی مسجد) تک۔‘‘

اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اُس کا نام ’’معراج‘‘ ہے۔ اس واقعہ کا ذکر سورۃ النجم کی آیات میں بھی ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۞۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۞۹ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۞۱۰﴾

’’پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا۔ بس دو کمانوں کے برابر (فاصلہ رہ گیا) یا اس سے بھی قریب۔ پھر اُس نے وحی کی اللہ کے بندے کی طرف جو وحی کی۔‘‘

سورۃ النجم کی آیات ۱۳ تا ۱۸ میں وضاحت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۞۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۞۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۞۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۞۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۞۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۞۱۸﴾

’’اور انہوں نے تو اس کو ایک مرتبہ اور بھی اُترتے دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جنّت الماویٰ بھی اس کے پاس ہی ہے۔ جبکہ چھائے ہوئے تھا سدرہ پر جو چھائے ہوئے تھا۔ (اُس وقت محمد ﷺ کی) آنکھ نہ تو کج ہوئی اور نہ ہی حد سے بڑھی۔ انہوں نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات کو دیکھا۔‘‘

حضور اکرم ﷺ کی نماز

اللہ تعالیٰ کا پیار بھرا خطاب حضور اکرم ﷺ سے ہے کہ آپ رات کے بڑے حصہ میں نمازِ تہجد پڑھا کریں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۞۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۞۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۞۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۞۴﴾ (المزمل)

’’اے چادر میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو جایا کرو۔ رات کا آدھا حصہ یا آدھے سے کچھ کم‘ یا اُس سے کچھ

زیادہ۔ اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔‘‘

اسی طرح سورۃ المزمل کی کی آخری آیت میں اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ﴾

’’(اے پیغمبر ﷺ!) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہو اور تمہارے ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔‘‘

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ رات کو طویل قیام فرماتے یعنی نماز تہجد ادا کرتے‘ یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں مبارک اور پنڈلیوں میں ورم آجاتا۔ (بخاری) صرف ایک دو گھنٹے نماز پڑھنے سے پیروں میں ورم نہیں آتا بلکہ رات کے ایک بڑے حصہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے‘ طویل رکوع اور سجدہ کرنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران جیسی لمبی لمبی سورتیں آپ ﷺ ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور وہ بھی بہت اطمینان وسکون کے ساتھ۔

نمازِ تہجد کے علاوہ آپ ﷺ پانچ فرض نمازیں بھی خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ سنن ونوافل‘ نماز اشراق‘ نماز چاشت‘ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام فرماتے اور پھر خاص خاص مواقع پر نماز ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے رجوع فرماتے۔ سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جا کر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ کوئی پریشانی یا تکلیف پہنچتی تو مسجد کا رخ کرتے۔ سفر سے واپسی ہوتی تو پہلے مسجد تشریف لے جا کر نماز ادا کرتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اطمینان وسکون کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق

اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم ﷺ کے اخلاق کے متعلق فرماتا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞۴﴾ (القلم) ’’اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو۔‘‘ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے جب نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال ہوا تو جواب دیا گیا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ یعنی آپ ﷺ کا اخلاق قرآنی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) حضور

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ)) (مسند احمد) ''مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے''۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: ''میں نے دس برس حضور اکرم ﷺ کی خدمت کی' آپؐ نے مجھے کبھی کسی بات پر اُف تک بھی نہیں فرمایا' نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا' اور اسی طرح نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا! حضور اکرم ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے' نیز خلقت کے اعتبار سے بھی آپ بہت خوبصورت تھے۔ میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اکرم ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔'' (ترمذی)

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: ''حضور اکرم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا' نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔'' (ترمذی) حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: ''حضور اکرم ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے نہ بتکلّف فحش بات فرماتے تھے' نہ بازاروں میں خلافِ وقار باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اس کا تذکرہ بھی نہیں فرماتے تھے۔'' (ترمذی)

حضرت حسن بن علی ؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا: جھگڑے سے' تکبر سے اور بے کار باتوں سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا: نہ کسی کی مذمت کرتے' نہ کسی کو عیب لگاتے اور نہ ہی کسی کے عیوب تلاش کرتے تھے۔'' (ترمذی) ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ سے آگاہی حاصل کریں اور اپنی زندگی میں ان کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

آپ ﷺ کی گھریلو زندگی

قرآن کریم روز قیامت تک کے لیے لوگوں سے مخاطب ہے: ﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ﴾ (الاحزاب:۵۳) ''اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ رسول اکرم (ﷺ) کے بعد ان کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح کرو۔'' یعنی نبی اکرم ﷺ کی بیویاں تمام ایمان والوں کے لیے ماؤں (امہات المؤمنین) کا درجہ رکھتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے چند نکاح فرمائے۔ ان میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہ ؓ

کنواری تھیں' باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا نکاح ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ سے کیا۔ حضرت خدیجہ کی عمر نکاح کے وقت ۴۰ سال تھی' یعنی آپ ﷺ سے عمر میں ۱۵ سال بڑی تھیں۔ نیز وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے دو شادیاں کر چکی تھیں اور ان کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔

جب نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۵۰ سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ ؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی پوری جوانی (۲۵ سے ۵۰ سال کی عمر) صرف ایک بیوہ خاتون حضرت خدیجہ ؓ کے ساتھ گزار دی۔

حضرت سودہ ؓ جو اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں' ان کی ماں بھی مسلمان ہو گئی تھیں۔ وہ ماں اور شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ وہاں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ جب اُن کا بظاہر کوئی دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال ان سے نکاح کر لیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال اور حضرت سودہ ؓ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی بیوہ عورت تھیں۔ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد تقریباً تین چار سال تک صرف حضرت سودہ ؓ ہی آپ ﷺ کے ساتھ رہیں' کیونکہ حضرت عائشہ ؓ کی رخصتی نکاح کے تین یا چار سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ غرض تقریباً ۵۵ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہی عورت رہی اور وہ بھی بیوہ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے چند نکاح کیے۔ یہ تمام نکاح آپ ﷺ نے چند سیاسی و دینی و اجتماعی اسباب کو سامنے رکھ کر کیے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے شادی نہیں کی اور نہ کسی بیٹی کا نکاح کرایا مگر اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل ؑ اس بارے میں وحی لے کر آئے۔

خلاصۂ کلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ بیان فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے لیے بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نبی و رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ

پر ختم کر دیا گیا ہے‘ یعنی اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہی شریعتِ محمدیہ (یعنی علومِ قرآن وحدیث) قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا ہے۔ اتنے عظیم و بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپؐ کی حیاتِ طیبہ تکلیفوں اور آزمائشوں میں گزری۔ آپ ﷺ کو مختلف طریقوں سے ستایا گیا‘ مگر کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ رسالت کی اہم ذمہ داری استقامت کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ آپ ﷺ کی عبادات‘ معاملات‘ اخلاق اور معاشرت سارے انسانوں کے لیے نمونہ ہے۔ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ سے یہ سبق لینا چاہیے کہ گھریلو یا ملکی یا عالمی سطح پر جیسے بھی حالات ہمارے اوپر آئیں‘ ان پر صبر کریں اور اپنے نبی مکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔ ہم اپنے نبی مکرم ﷺ کے طریقہ پر اسی وقت زندگی گزار سکتے ہیں جب ہمیں اپنے نبی کی سیرت معلوم ہو‘ لہٰذا ہم خود بھی سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اپنے بچوں کو بھی سیرتِ نبوی پڑھانے کا اہتمام کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر زندگی گزارنے والا بنائے۔ آمین!

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

مقامِ قرآن: علّامہ اقبال کی نظر میں

پروفیسر محمد منور مرزا

سب سے پہلی بات اور سب سے پکّی بات یہ ہے کہ علّامہ اقبال کی نظر میں قرآن کریم وہ کتاب ہے جو اللہ کے احکام اور اللہ کی حکمتوں پر مشتمل ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوق کو ٹھیک سے جانتا ہے۔ کوئی مخلوق ہستی کسی دوسری مخلوق ہستی کو کاملاً جان نہیں سکتی۔ وہی جاننے والا ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ وہی ''خلاق'' ہے' لہٰذا وہی ''علام'' ہے۔ چنانچہ اُسی کے فیصلے' اُسی کے احکام اور اُسی کے نواہی کاملاً درست ہیں اور وہی ہر شک اور ہر شبے سے بالا ہیں۔ پھر علّامہ اقبال کا پختہ یقین یہ بھی ہے کہ یہ کتاب اللہ کی آخری کتاب ہے' اور نہ کوئی رسول آئے گا نہ کتاب لائے گا۔ اس اعتبار سے یہ کتاب کامل ترین آئین زندگی اور روشن ترین راہِ حیات ہے۔ یہ کتاب آنے والے ہر دور کی رہبری کرے گی اور آنے والا ہر دور ترقی کی جو منازل طے کرے گا وہ قرآن ہی کی حقیقت واضح کرے گا۔

وقت کے ساتھ ساتھ قرآن کی سچائیاں واضح ہوں گی' لہٰذا موجودہ کسی علمی' فکری' سائنسی اور معدنی انکشاف و اکتشاف کو دیکھ کر اور جلد بازی میں کوئی نتیجہ یا نتائج اخذ کر کے قرآن سے متعلق پریشان خیال نہ ہو جانا چاہیے۔ ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے کہ ''دریافتوں'' کی روشنی میں قرآن کے صریح مفہوم کو بدل ڈالیں۔ کیا پتہ اس دریافت کے بعد اور کون سی دریافت مزید کیا کچھ سامنے لائے' اس لیے کہ انسانی علم حتمی نہیں۔ ہاں نئے علوم سے قرآن کے پوشیدہ معانی ضرور کھلیں گے اور اس کی لازوال صداقت واضح ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ سچ اور حق جو بھی اور جس طرح بھی ظہور میں آئے' اس کے لیے قرآن کسوٹی ہے۔ قرآن کی روشنی میں نئے حقائق کی چھان پھٹک ہو گی اور ان نئے حقائق کی بنا پر استوار ہونے والے اصولوں کو سمجھا جائے گا۔ قرآن سے نئی روشنی کے بارے میں یہ فیصلہ بھی لیا جائے گا کہ کشفِ حقائق کا سفر ٹھیک راہ پر جاری ہے یا نہیں! مطلب یہ ہے کہ نئے معانی اور نئے جہان قرآن کے معانی کو روشن ضرور کریں گے مگر وہ

قرآن کو بدل نہیں سکتے۔ یہ قرآن' اللہ کی رحمت ہے اور ہر دور اور ہر جہان کے لیے ہے۔ یہ ہے قرآن کے بارے میں علّامہ اقبال کا اساسی اور بنیادی عقیدہ۔ ؂

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اَسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ اُو را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انسان را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃٌ لّلعالمینؐ

اگر قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اللہ ہی کے کلام پر مشتمل ہے تو ظاہر ہے کہ ہر فردِ مؤمن جو کچھ سوچے گا' قرآن ہی کی روشنی میں سوچے گا' اس لیے کہ دانائی اور حکمت کا اس سے بڑا اور اس سے زیادہ روشن اور اس سے زیادہ قابلِ اعتماد دوسرا کوئی سرچشمہ نہیں۔ یہی حال علّامہ اقبال کا ہے کہ جب انہوں نے فکری زندگی میں بلوغت حاصل کی یا انہیں احساس ہوا کہ اب وہ زندگی کے اسرار کو سمجھنے کے کسی حد تک اہل ہیں تو خود ان کا دل بول اٹھا کہ ہر وہ دانش جو قرآن کے سراجِ منیر سے فیض حاصل نہیں کرتی' ناقص ہے اور اس لیے کہ ناقص ہے کہ وہ محدود ذہن اور فانی فکر رکھنے والے فانی وجود کی سوچ ہے۔ اولادِ آدم کی ہمہ جہتی فلاح فقط قرآنی ہدایت ہی کی مدد سے ممکن ہے۔ اسی کامل یقین کی بنا پر انہوں نے ''اسرارِ خودی'' میں بحضور رسالت مآب ﷺ التجا پیش کی کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اور اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں بلکہ جو کچھ پوری انسانی آبادی کی نذر کر رہا ہوں وہ قرآن ہی کی روشنی میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر میں کوئی ایسی حکمت' ایسی دانش' ایسی فکر اور ایسا اصول پیش کروں جو قرآن کے مخالف ہو تو پھر میں ایک ایسے ایسا مجرم ہوں جسے قیامت کے روز بڑی سے بڑی سزا دی جانی چاہیے' اور میرے لیے اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی ہے کہ مجھے اُس دن حضور ﷺ اپنی زیارت اور بوسۂ پا کی سعادت سے محروم کر دیں۔ یہ التجا اور یہ اعلان ۱۹۱۵ء کا ہے' گویا وہاں سے علّامہ اقبال کی شاعری اور فکر کو خالصتاً قرآنی حکمت اور قرآنی نور کے حوالے سے دیکھنا شروع کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اس سے قبل علّامہ اقبال نے کبھی کبھار اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیا ہو مگر ''اسرارِ خودی'' کے دور سے علّامہ اقبال کچھ اور ہی ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ؂

گر دلم آئینہ بے جوہر است — ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است

اے فروغت صبح اعصار و دہور   چشم تو بینندۂ ما فی الصدور
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن   ایں خیاباں را ز خارم پاک کن!
خشک گرداں بادہ در انگورِ من   زہر ریز اندر مئے کافورِ من!
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا   بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

وہ اپنی اس روش کی بدلی ہوئی تائید وتاکید ’’زبورِ عجم‘‘ میں بھی کرتے ہیں۔’’زبورِ عجم‘‘ ۱۹۲۷ء میں چھپی تھی۔ گویا قرآنی راہ پر اور فقط قرآنی راہ پر گامزن ہوئے انہیں اس وقت تک بارہ برس ہوگئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میں عام قسم کا شاعر نہیں جو جھوٹ موٹ بولتا چلا جاتا ہے اور خیال کی وادیوں میں بے مقصد ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے۔ میرے بارے میں اس طرح کی بات سوچنے والے ناکارہ لوگ ہیں‘ ان لوگوں سے کچھ بھی بن نہ پڑے گا۔ میں تو وہ داستان سناتا ہوں جو حضرت جبریل علیہ السلام نے سنائی تھی۔ محض عالم خیال کی اڑان گھاٹیاں میرے یہاں کہاں ہیں کہ اب میں قاصد کا انتظار کروں‘ اب کوچہ محبوب کی طرف جاؤں۔ کبھی رقیب کی رقابت کے مضمون باندھوں اور کبھی درِ محبوب پر پاسبانی کرنے والوں کے ’’حسن سلوک‘‘ کی داد دوں۔ یہ اور اس طرح کے فرضی قصے میں نہیں کہتا۔ ؎

نہ پنداری کہ من بے بادہ مستم   مثالِ شاعراں افسانہ بستم
نہ بینی خیر ازاں مردِ فرو دست   کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست
بہ جبریلِ امیں ہم داستانم   رقیب و قاصد و درباں ندانم

ظاہر ہے کہ وہ داستان جو حضرت جبریل علیہ السلام نے سنائی تھی وہ وحی تھی‘ وہ قرآن کریم تھا۔

ایک سوال اہلِ فلسفہ وکلام کو خواہ وہ مسلمان تھے خواہ غیر مسلم‘ ہر دور میں پریشان کرتا رہا کہ وہ وحی جو آسمانی کتب میں مرقوم ہے آیا از رُوئے مفہوم و معنی وحی ہے یا لفظاً بھی وحی ہے۔ آیا مضمون ہی کسی پیغمبر کے دل میں ڈالا جاتا تھا یا مضمون کے ساتھ الفاظ بھی اُدھر ہی سے آتے تھے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی معنی ذہن میں الفاظ کے بغیر نہیں اُبھرتا۔ اگر کوئی خیال سوجھتا ہے تو وہ الفاظ ہی کے سہارے سوجھتا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ خیال ذہن میں جن الفاظ کے ساتھ آیا ہو وہ اور ہوں اور جب معرضِ بیان میں پہنچے تو وہ خیال ہو بہو ان الفاظ میں ادا نہ ہو جن الفاظ میں سمجھ لیا گیا تھا۔ قرآن کے مسئلے میں علّامہ اقبال کا موقف یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ

کے قلب پر قرآن کے معانی ہی نہیں اُترے تھے‘ الفاظ بھی اُترے تھے اور یہ وہی الفاظ ہیں جو ہمیں قرآن میں نظر آرہے ہیں اور وہ الفاظ فرشتۂ امین لائے تھے۔ یہ ممکن نہیں کہ قاصد نے بے الفاظ خیال لیا اور آگے بے الفاظ ہی پیش کر دیا ہو۔ خالی بندے اور خدا کا مسئلہ ہوتا تو اور بات تھی‘ یہاں تو تیسرا وجود بھی ہے جو واسطہ ہے۔

اس باب میں ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک بار ایف سی کالج کے پرنسپل مسٹر یونگ (بڑے مسٹر یونگ) نے کسی دعوت وضیافت کے موقع پر علّامہ اقبال سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں قرآن کا صرف مفہوم آسمان سے اترا تھا یا الفاظ بھی؟ تو علّامہ اقبال نے جواب دیا کہ قرآن الفاظ سمیت اُترا تھا۔ یونگ بولے: حیرت کی بات ہے کہ آپ جیسا پڑھا لکھا آدمی بھی یہ کہتا ہے۔ اس پر علّامہ اقبال نے جواب دیا کہ میں ایک ادنیٰ سا شاعر ہوں۔ مقامِ رسالت سے شاعری کو کیا نسبت‘ اس کے باوصف مجھ پر بارہا شعر بنے بنائے نازل ہوتے ہیں۔ اگر لفظوں سمیت مجھ پر شعروں کا الہام ہونے لگتا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ پر قرآن کا الفاظ سمیت نازل ہونا کون سا ایسا بعید از قیاس امر ہے!

علّامہ اقبال کا یہ یقین کہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ ہی نے بھیجے اور وہ اللہ ہی کے کلمات ہیں‘ انہیں اس اعتقاد سے مالا مال کرتا ہے کہ قرآن کے الفاظ خود اپنی ذات میں بھی نور اور شفا ہیں۔

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (بنی اسرائیل:۸۲)

’’ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔‘‘

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝۱۷۴﴾ (النساء)

’’اے لوگو! تمہارے پاس ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آ چکی ہے اور ہم تمہارے اوپر ایک کھلا ہوا نور اُتار چکے ہیں۔‘‘

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ (النور:۳۵)

’’آسمانوں اور زمین کا نور اللہ ہے۔‘‘

مطلب یہ کہ قرآن کے فقط مطالب ہی شفا‘ نور اور رحمت نہیں ہیں جو دلوں کے میل اور تاریکی دور کر دیتے ہیں‘ جو راہِ ہدایت دکھاتے اور گمراہی کی ذلتوں اور اذیتوں سے بچاتے ہیں بلکہ خود الفاظ میں ایسی نوری تاثیر ہے کہ وہ مفہوم سے بالا بالا بھی اپنا اثر اور فیض عطا کر جاتے

ہیں۔ چنانچہ ’’ارمغانِ حجاز‘‘ میں انہوں نے ’’دخترانِ ملّت‘‘ کو خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے واقعہ قبولِ اسلام کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے۔ تاریخ گواہ ہے اور کتبِ حدیث و رجال شاہد ہیں کہ عمر بن الخطاب کفر کے عالم میں اس نیت کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جا رہے تھے کہ جا کے آپؐ کا کام تمام کر دیں‘ مگر راستے میں انہیں بتایا گیا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درپے ہونے سے قبل اپنے گھر کی خبر لیں‘ اس لیے کہ ان کی حقیقی ہمشیرہ اسلام قبول کر چکی ہیں۔ وہ ہمشیرہ سے نپٹنے کے لیے گھر گئے مگر وہاں ان کی زبان سے قرآن کے کلمات سن کر موم ہو گئے۔ ابھی کلمہ تو پڑھا نہ تھا‘ قرآن کی حقانیت پر ایمان تو نہ لائے تھے‘ اس عقیدے کے ابھی مالک نہ ہوئے تھے کہ یہ کتاب کتابِ ہدایت ہے اور اس کے مطالب میں بے قیاس گیرائی اور گہرائی ہے۔ وہ تو الفاظ کے سوز اور اسلوبِ بیان ہی پر مر مٹے اور پھر بے تابی کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جا گرے۔ عمرؓ جیسی مضبوط شخصیت مگر دلِ زندہ سے سرمایہ دار شخصیت قرآن کے الفاظ ہی سن کر مان گئی کہ یہ کوئی عام قسم کی کتاب نہیں‘ یہ کوئی اور ہی شے ہے۔ بہرحال علامہ اقبال دخترانِ ملت سے کہتے ہیں: ؎

ز شامِ ما بروں آور سحر را — بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قرأتِ تو — دگرگوں کرد تقدیرِ عمرؓ را!

’’(اے بیٹی!) تو ہماری شام سے صبح برآمد کر دے۔ اہلِ بصیرت کو پھر قرآن کی طرف بلا۔ تو جانتی ہے کہ تیری قراءت کے سوز و گداز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقدیر بدل ڈالی تھی۔‘‘

ظاہر ہے کہ تقدیرِ عمرؓ قرآن کے الفاظ کے سوزِ قراءت سے کچھ کی کچھ ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ رکھنے والا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل ترین صحابہؓ میں شمار کیے جانے والے کا فخر حاصل کرے‘ خلیفہ رسولؐ بنے‘ امیر المومنین کہلائے۔ دنیا کے لیے نظامِ حکومت اور عدل گستری کی روشن ترین مثال چھوڑ جائے اور اجتماعی اخوت اور اجتماعی کفالت کا وہ معیار قائم کر جائے کہ آج تک اس انداز سے پھر کوئی بھی حکومت قائم نہ کر سکی ہو۔ ع بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا!

علامہ اقبال کے اس عقیدے کی ایک تشریح تو بڑی ہی دلچسپ ہے جو الفاظِ ذیل میں مرقوم ہے۔ یہ الفاظ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مضمون ’’سرِ اقبال مرحوم مشمولہ گنج ہائے

گراں مایہ‘‘ سے لیے گئے ہیں:

’’مرحوم کو سید راس مرحوم سے بڑی شیفتگی تھی‘ اسی طرح سر راس کو بھی اقبال سے بڑا شغف تھا۔ لیڈی مسعود کو اقبال مرحوم سے جو عقیدت تھی اور جس طور پر ڈاکٹر صاحب کی صحت و آرام کا موصوفہ خیال رکھتی تھیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بھوپال میں بڑے اصرار کے ساتھ ایک خوش الحان قاری مقرر کرا دیا جو ہر صبح آدھ گھنٹہ لیڈی مسعود کو کلام پاک سناتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لیڈی مسعود کی دوسری بچی نادرہ پیدا ہونے والی تھی۔ مرحوم فرماتے تھے کہ ایامِ حمل میں کسی خوش لہجہ قاری سے اگر ماں کلام پاک سن لیا کرے تو بچے پر اس کا اثر بہت اچھا پڑے گا۔‘‘

اس واقعے سے جہاں علامہ اقبال کے محولہ بالا عقیدے پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ بھی جو قرآن کے مفہوم و معنی پر قادر نہیں‘ اس کے ناظرہ مطالعہ سے اور اس کے الفاظ کی سماعت سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ ہمیں دکھائی نہ دے یہ الگ بات ہے مگر ان نوری الفاظ سے آنکھوں کو‘ ذہن کو‘ قلب اور ضمیر کو بہت کچھ جلا ملتی ہے۔ قرآن کتابِ ہدایت ہے‘ لہٰذا عمل کا تقاضا کرتی ہے مگر وہ نور و شفا بھی تو ہے اور نور و شفا معانی ہی میں نہیں‘ الفاظ میں بھی کارفرما ہے۔ لہٰذا حسبِ مقدور بے علم بھی فائدہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ کسی بزرگ سے یہی سوال کیا گیا کہ مطالعہ قرآن ناظرہ فہم مطالب کے بغیر بھی کوئی فائدہ دیتا ہے یا نہیں‘ تو ان بزرگ نے جواب دیا تھا کہ اگر آپ کوئی دوائی کھائیں جس کے اجزا اور ان کے خواص کا علم آپ کو حاصل نہ ہو تو کیا وہ اثر نہیں کرتی!

دخترانِ ملت کو جو علامہ اقبال نے یہ کہا کہ ’’بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را‘‘ تو غلط نہیں کہا۔ اہلِ نظر کی شرط محض شاعرانہ ضرورت یا مجبوری نہیں۔ اللہ کی نشانیوں کو اہلِ نظر ہی پہچانتے ہیں اور ان تک جب شمعِ ہدایت پہنچتی ہے تو پھر وہ آنکھیں بند نہیں کر لیتے۔ جن کا دل روشن ہو‘ ان کی آنکھوں کی بصارت بڑی بابصیرت ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایسے افراد اَن پڑھ ہونے کے باوصف وہ کچھ جانتے اور دیکھتے ہیں کہ ظاہری روشن آنکھوں کے مالک دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ یہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں سے چند کلمات کا اندراج بے محل نہ ہو گا۔ یہ کلمات ’’فوائد الفواد‘‘ سے لیے گئے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز حسن افغانیؒ کا ذکر کر رہے تھے جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے مریدوں میں سے تھے اور ظاہر ہے کہ ان کا دور

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے دور سے متصل تھا‘ اس لیے کہ وہ حضرت خواجہ کے مرشد شیخ الاسلام فرید الدینؒ کے معاصر بھی تھے اور ان کے مابین نسبتی قرابت داری بھی تھی۔ حضرت خواجہ نے حسن افغانی کے باب میں فرمایا کہ وہ اُمی محض تھے مگر لوگ ان کے پاس آتے اور کاغذوں پر اور تختیوں پر چند سطریں تحریر کرتے۔ نظم بھی‘ نثر بھی‘ کچھ عربی‘ کچھ فارسی۔ طرح طرح کی انہی سطور میں کوئی ایک سطر قرآنی آیات میں سے بھی لکھ دیتے اور پھر حسن سے پوچھتے: ان سطور میں قرآن کہاں ہے؟ حسن اشارے سے بتا دیتے کہ یہ ہے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے تو قرآن پڑھا ہی نہیں‘ تم کیسے جان لیتے ہو کہ یہ قرآن کی آیت ہے؟ تو وہ جواب دیتے کہ ’’جو نور اس سطر میں نظر آتا ہے وہ دوسری سطور میں نظر نہیں آتا۔‘‘ (فوائد الفواد‘ فارسی ایڈیشن‘ اوقاف لاہور)

وہی تختی یا کاغذ‘ وہی قلم‘ وہی روشنائی اور وہی خط‘ پھر شناخت کرنے والا اَن پڑھ اور اشارہ کرے بالکل صحیح کہ ’’یہ تحریر قرآن ہے‘ جو نور اس میں ہے وہ دوسری تحریروں میں نہیں ہے۔‘‘ مرئی اشیاء کے بارے میں ضیائے نظر کے طولِ موجی (wave length) اور سپیکٹرم کے تناسباتِ رنگ کے حقائق سے آگاہ لوگ قرآنی آیات میں پوشیدہ نور دیکھنے والی کسی آنکھ یا اس آنکھ کے پیچھے کارفرما کسی آنکھ کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہیں؟ جلد بازی میں ان حقائق کی تردید نہ کر دیجیے‘ اس سے الٹا یہ نتیجہ اخذ کیجیے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی لطافتیں اور نفاستیں جمع کر رکھی ہیں۔ اس کے روحانی اور معنوی امکانات بے حدود ہیں۔ ابھی تک خارجی حسیات ہی کے جغرافیے سمجھ میں نہیں آ رہے‘ داخلی حسیات کی باری ذرا دیر میں آئے گی۔ ہاں اتنی سی بات ضرور توجہ طلب ہے کہ داخلی حسیات کے ماہرین نے بھی کچھ کہا ہے۔ وہ ماہرین جو حسنِ کردار کا نمونہ تھے‘ جو آدابِ اخلاق کی روشن مثال تھے‘ جو بادیانت اور متقی تھے۔ ان کا ظاہری علم اپنے اپنے دور کے علوم کی عام سطح کے حوالے سے دیکھیں تو کسی بڑے عالم سے کمتر نہ تھا اور ان کی تعداد بھی تھوڑی نہ تھی۔ وہ بے نیاز مدرس تھے‘ وہ مستغنی معلم تھے‘ وہ خدامست مصلح تھے‘ وہ مخلص مبلغ تھے۔ وہ تارک الدنیا سادھو اور بھنگ پی کے نعرہ لگانے والے لوگ نہ تھے۔ وہ تو بقول حضرت شیخ ہجویریؒ اہلِ علم تھے (ایشاں اہلِ علم بودہ اند)۔ ان لوگوں نے بھی کچھ باتیں بتائی ہیں‘ کچھ مشاہدات نقل کیے ہیں۔ ان کے لیے یہ اندرونی اور روحانی لطافتیں اور باریکیاں اور حسیات کی یہ نزاکتیں اتنی ہی حقیقی تھیں اور اتنی ہی قابلِ اعتماد تھیں جتنی آج طبیعیاتی‘ کیمیائی یا

نفسیاتی معلموں میں تجربات کی زد میں آنے والے اور ہو چکنے والے حقائق۔

یہ واضح ہو چکنے کے بعد کہ علامہ اقبال کی نظر میں قرآن محض از روئے معنی ہی نہیں‘ بلکہ از روئے لفظ بھی آسمانی اور الٰہی کتاب ہے تو گویا جب کوئی شخص قرآن پڑھتا ہے اس وقت اس کا براہِ راست اللہ کے ساتھ ایک رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ قرآن ایک ایسا رابطہ اور ایک ایسی رسّی بن جاتا ہے جس کے ایک جانب خدا ہو اور دوسری جانب بندہ۔ اگر ساتھ ہی پڑھنے والے کو یہ خیال بھی رہے کہ یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت جبریلؑ نے ادا کیے‘ حضرت نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے‘ جن کو اسی طرح ائمہ صدیقین و شہداء و اولیاء نے ادا کیا‘ جن کو آج تک کروڑوں زبانیں اسی طرح پڑھ چکی ہیں جس طرح میں پڑھ رہا ہوں تو مطالعہ قرآن کی لذت میں کچھ اور ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ساتھ ہی یہ احساس بھی ہو کہ آوازیں بھی مادی ذرات کی طرح ناقابلِ تحلیل ہیں اور وہ مٹتی نہیں تو نشے میں مزید گداز واقع ہو جاتا ہے کہ مَیں حضور نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے خلفاء اور امت کے ائمہ صدیقین و شہداء اور دیگر اہلِ دل و ایمان کی آواز میں اپنی آواز بھی شامل کر رہا ہوں۔ یہ مثال ان ذرات کی سی ہے جو سورج کی کرن کے سامنے آ جائیں اور ان کے لیے کرن وہ رشتہ اور تاگا بن جائے کہ سورج کے ساتھ ان کا تعلق قائم کر دے۔

اسی طرح قرآن جو اللہ کی رسّی ہے‘ پوری اُمتِ اسلامیہ کے لیے ظاہراً اور باطناً دونوں طرح رشتہ اتحاد بن جاتا ہے۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لینے کے مطلب یہ ہوا کہ موتی ایک ہی رشتے میں پرو دیے گئے اور اس رشتے میں پرو دیے گئے جس کی ایک طرف بندہ ہے اور دوسری طرف خدا۔ جو اس رشتے میں پرویا نہ جاسکا‘ وہ کہاں کا رہا۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسے عالم میں جملہ امتیازات ختم ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوسعید الخدری ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ‘‘ (اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے)۔ اسی مضمون کو علامہ اقبال نے الفاظِ ذیل میں بیان کیا ہے۔ وہ قرآن کے بارے میں کہتے ہیں: ؎

ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!
چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو!

’’ہم سرتاسر مٹی ہیں‘ دلِ آگاہ قرآن ہے۔ یہ اللہ کی رسی ہے‘ اسے مضبوطی سے تھام لو۔

اس رشتے میں اپنے آپ کو موتی کی طرح پرو لو ورنہ ذرۂ خاک کی طرح آوارہ و پریشان ہو جاؤ گے۔‘‘

مگر ’’اعتصامش کن‘‘ کا مطلب ہے مضبوطی سے پکڑو اور پکڑے رکھو۔ یہ نہیں کہ مطالعہ کرتے وقت جو ایک رابطہ قائم ہوا اسی کو کافی جان لو۔ ادھر الفاظ تہ کر کے طاق میں رکھے اور اُدھر رابطہ ختم ہو گیا۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی ہے کہ قرآن دل میں اُتر جائے‘ قرآن لائحہ زندگی بن جائے بلکہ خود زندگی۔ ہر جائزہ قرآن کی روشنی میں کارفرما ہو۔ ہر فیصلہ قرآن کی روشنی میں صادر ہو۔ حیاتِ انفرادی اور حیاتِ اجتماعی میں حقوق و فرائض کا تعین اور انجام دہی قرآن ہی کی روشنی میں جلوہ گر ہو۔ غرض قرآن علم ہو‘ قرآن آرزو ہو‘ قرآن عمل ہو۔ اگر عالم یہ ہو تو واضح ہے کہ جملہ حاملین قرآن ایک ہی طرح سوچیں گے۔ ایک ہی طرح کا اسلوبِ زندگی اختیار کریں گے۔ ان کی ایک ہی جیسی پسند و ناپسند ہو گی اور وہ باقی اولادِ آدم سے از روئے رویہ و سلوک ممیز و ممتاز ہوں گے۔ گویا قرآن ان میں ’’توحید‘‘ پیدا کر دے گا۔ اس طرح توحیدِ خداوندی کا جلوہ زمین پر دکھائی دینے لگے گا۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

یک شو و توحید را مشہود کن　　غائبش را از عمل موجود کن!
لذّتِ ایماں فزاید در عمل　　مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل

’’ایک ہو جا اور توحید کا اظہار کر دے۔ اپنے عمل سے غائب کو موجود کر دے۔ ایمان کی لذت عمل کرنے سے بڑھتی ہے۔ وہ ایمان مردہ ہے جس میں عمل نہ ہو۔‘‘

(میثاق: اپریل ۱۹۷۴ء)

ماهنامہ ’’میثاق‘‘ لاهور

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قرآنی فکر کا ترجمان‘ ایک علمی‘ دعوتی اور تربیتی رسالہ!

صرف آپ ہی کے زیرِ مطالعہ کیوں؟

وقت اور حالات کی اشد ضرورت ہے کہ اسے ایک مشن سمجھ کر واعظین و مربّین‘ تعلیمی اداروں‘ لائبریریوں‘ مکتبہ جات اور ہر گھر و فرد اور خاص طور پر الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر اپنے دوست‘ احباب اور اعزّہ و اقرباء تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا!

مسجدِ اقصیٰ سے متعلق ایک اہم حدیث

ابوکلیم مقصود الحسن فیضی

عَنْ أَبِي ذَرٍّ ؓ، قَالَ: تَذَاكَرْنَا وَنَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ: مَسْجِدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَوْ مَسْجِدُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ فِيهِ، وَلَنِعْمَ الْمُصَلَّى، وَلَيُوشِكَنَّ أَنْ لَا يَكُونَ لِلرَّجُلِ مِثْلُ شَطَنِ فَرَسِهِ مِنَ الْأَرْضِ حَيْثُ يَرَى مِنْهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا - أَوْ قَالَ: خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

(مستدرک الحاکم:۴/۵۰۹، المعجم الاوسط:۸۲۲۶، ۸۲۲۶/۹، شعب الایمان:۳۸۴۹، ۴۲/۶)

”حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے یہ گفتگو کر رہے تھے کہ مسجدِ نبوی افضل ہے یا مسجد بیت المقدس؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز بیت المقدس میں پڑھی گئی چار نمازوں کے برابر ہے، ویسے وہ نماز پڑھنے کی بہترین جگہ ہے، اور وہ وقت قریب ہے کہ ایک (مؤمن) شخص کے لیے اُس کے گھوڑے کی رسّی کے برابر جگہ بھی ملنا مشکل ہوگا کہ وہ وہاں سے بیت المقدس کو دیکھ لے۔ اگر اسے صرف اتنی جگہ بھی مل گئی تو وہ اس کے نزدیک دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا۔“

نبی کریم ﷺ کی یہ مبارک حدیث بیت المقدس سے متعلق کئی امور پر روشنی ڈالتی ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ بیت المقدس کی موجودہ تاریخ سے متعلق نبی ﷺ کی پیشین گوئی پر مبنی ایک معجزہ ہے۔ لہٰذا ہمیں اس حدیث پر غور کرنا چاہیے اور موجودہ دور میں بیت المقدس کی جو صورتِ حال ہے اس پر توجہ دینی چاہیے۔

(۱) دورِ نبویؐ میں بیت المقدس مسلمانوں کی پہنچ سے بہت دور تھا اور اس پر دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت یعنی روم کا قبضہ تھا۔ ایسے حالات میں نبی اکرم ﷺ کا بیت المقدس میں نماز کی اہمیت اور مسلمانوں کے دل میں اس کی محبت کی یہ خبر دینا گویا بیت المقدس کی فتح کی خوش خبری سنانا اور یہ واضح کرنا تھا کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضوان اللہ علیہما کی پہلی کوششوں میں بیت المقدس کو فتح کرنا تھا۔ چنانچہ بیت المقدس ۱۵ھ میں عہد فاروقی کے دوران فتح ہوا۔

(۲) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیت المقدس سے متعلق معلومات کا اہتمام کرنا۔ یہ بات یقینی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام ؓ کے سامنے اس کی اہمیت بیان فرماتے تھے، اس کی عظمت کا ذکر کرتے تھے، تبھی تو صحابہ کو یہ احتمال ہوا کہ شاید بیت المقدس کی اہمیت مسجد نبوی سے بھی زیادہ ہے۔

(۳) اس حدیث سے مسجدِ اقصیٰ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ شریعت میں اس کا ایک بڑا مقام ہے، جو مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہے گا۔

(۴) مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت اور اس میں نماز کے اجر کا زیادہ ہونا۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ((وَلَنِعْمَ الْمُصَلّٰى هُوَ)) ”وہ نماز پڑھنے کی بہترین جگہ ہے۔“ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مسجد میں نماز کا ثواب دیگر مسجدوں کے مقابلے ڈھائی سو گنا زیادہ ہے۔

(۵) ابتدا میں مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس رہا ہے۔ اب اگرچہ اس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو گیا ہے لیکن اس کی اہمیت باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

(۶) بہت ممکن ہے ایک وقت آئے کہ یہ مقدس زمین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے حتیٰ کہ اس کے اردگرد بھی انہیں رہائش نصیب نہ ہوگی۔

(۷) اُس وقت بھی مسلمانوں کے دلوں میں اس کی ایسی محبت ہوگی کہ ایک مسلمان کے لیے کچھ دور پر صرف اتنی زمین کا مل جانا کہ وہاں سے وہ بیت المقدس کو دیکھ سکے، دنیا کی ہر چیز سے عزیز تر ہوگا۔

(۸) مسلمانوں خصوصاً بیت المقدس کے اردگرد رہنے والوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ بیت المقدس کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس کی خدمت اور اس کا دفاع تمہارے لیے باعثِ شرف ہے۔

(۹) ۱۹۴۸ء میں یہودیوں نے فلسطین میں اسرائیلی حکومت کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۶۷ء میں حملہ کر کے اپنا قبضہ فلسطین اور خاص طور پر قدس پر مستحکم کرلیا۔ اس کے بعد ہی سے بیت المقدس کو مکمل طور پر اپنی تحویل میں لینے کے لیے درج ذیل چالیں چلیں اور چل رہے ہیں:

☆ مسجدِ اقصیٰ کے چاروں طرف یہود نئی آبادیاں بنا رہے ہیں جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہیں۔ اگرچہ دنیا کے بیشتر ممالک اس کی مخالفت کر رہے ہیں، مگر یہود کسی کو خاطر میں نہیں لا رہے۔

☆ قدس کا وہ علاقہ جہاں مسلمان آبادی ہے وہاں کی زمینوں کی قیمت غیر معمولی طور پر بڑھا رہے ہیں تاکہ کوئی مسلمان وہاں زمین یا گھر نہ خرید سکے، کوئی اسرائیلی ہی خریدے، جس کے لیے دنیا کی دیگر یہودی تنظیمیں مدد دے رہی ہیں۔ اگر کوئی مسلمان جو اس زمین کا مالک ہے وہ اسے کسی یہودی کے ہاتھ نہیں بیچنا چاہتا تو فلسطین کے اندر یا باہر کے کسی مسلمان کو تیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ مسلمان سے اس زمین کو خرید کر پھر کسی یہودی کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔

☆ قدس کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ مسلمان اسے چھوڑ کر نکل جائیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہاں داخل ہونے کے لیے ہر طرف سے چیک پوسٹیں بنائی گئی ہیں اور کسی بھی ایسے شخص کو باہر سے نہیں آنے دیا جاتا جو قدس کا رہنے والا نہیں ہے، حتیٰ کہ پڑوس کے شہروں سے اگر کوئی اپنے رشتے داروں سے ملنے آنا چاہتا ہے تو اوّل تو اسے اجازت نہیں ملتی اور اگر ملتی بھی ہے تو مشکل سے اور محدود وقت کے لیے۔

☆ قدس کے اردگرد امن کے قیام کے نام پر پولیس اور فوج کو متعین کر رکھا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی نقل و حرکت کم ہے جبکہ یہود کو مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہیں آئیں اور جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب قدس میں یہود کی آبادی بڑھ گئی ہے اور مسلمانوں کی آبادی ان کے مقابلے میں کم ہوگئی ہے اور وہ بھی صرف بیت المقدس کے مشرقی جانب۔

☆ قدس کے جو اصلی باشندے ہیں یعنی مسلمان، یہودی حکومت ان کا مستقل وجود تسلیم نہیں کرتی۔ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ یہاں کے اصلی باشندے نہیں ہو، لہٰذا تمہاری

(باقی صفحہ 82 پر)

زندگی کی قدر و قیمت

اور وقت کی تنظیم

مولانا عبدالمتین☆

زندگی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ایک مقصد حاصل کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ اللہ ربّ العزت نے اسے بہت ہی مختصر رکھا ہے اور ساتھ یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ اس کو اپنی جنت اور آخرت بنانے میں گزار دو۔

اس مختصر زندگی میں وقت کی جتنی زیادہ قدر کی جائے گی اتنا ہی زندگی کا مقصد حاصل کرنا آسان ہوگا۔ وقت کی جس قدر نا قدری کی جائے گی مثلاً فضول اور بے مقصد کاموں میں وقت لگایا جائے گا تو ہم زندگی کے مقصد سے اتنا ہی دور ہوتے جائیں گے۔ لغویات، لایعنی اور فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع کریں گے تو ہم اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ کوئی چیز اگر اپنے مقصد سے ہٹ کر استعمال کی جاتی ہے تو اس میں خرابیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ زندگی کا واحد مقصد اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہے۔ اس مقصد سے زندگی گزاری جائے گی تو یہ آسان محسوس ہوگی۔ ایسے شخص کے لیے عبادت کرنا، نیکی کرنا، صبر کرنا، لوگوں کی خدمت کرنا، حلال کا اہتمام کرنا وغیرہ سب آسان ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر کوئی زندگی کے مقصد کو بھول کر اللے تللے میں لگ جائے اور پیسہ بنانا، کمانا، اڑانا، گھومنا پھرنا، عالی شان گھر، منصب، شہرت، دولت وغیرہ ہی کو اپنا مقصد بنا لے تو وہ جلد پریشان ہو جائے گا۔ کچھ وقت کے بعد گلے شکوے شروع کر دے گا اور پھر بیماریوں میں مبتلا ہو کر اس کا کھیل ختم ہو جائے گا۔

اگر یہ دنیا بے مقصد کاموں کے لیے ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس قدر وسائل اور مسائل کے ساتھ نہ بناتے اور اگر اتنی ہی اچھی ہوتی تو زندگی اتنی مختصر نہ ہوتی۔ دنیا اور انسان دونوں کی زندگی ختم ہونے والی ہے، تبھی اللہ تعالیٰ نے آخرت کا نظام پیدا کیا تاکہ اس مقصد کو سامنے رکھ کر یہ تھوڑی سی زندگی اچھی طرح گزاری جائے اور پھر جنت میں ہمیشہ کے لیے خوش رہا جائے۔

☆ مدیر مدرسہ دارارقم، لیاری، کراچی

زندگی کیا ہے؟

یہ جو ہماری زندگی کے مختلف دور ہیں مثلاً بچپن، لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمری، ضعیفی اور بڑھاپا وغیرہ یہ وقت کی پیداوار ہیں۔ وقت جس میں سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن، رات، ہفتہ، مہینہ، سال ہوتے ہیں، یہی زندگی ہے۔ زندگی کا ایک سیکنڈ بھی زندگی ہی کہلاتا ہے کیونکہ یہی سیکنڈ آگے جا کر منٹ، گھنٹے کا سفر طے کر کے کچھ سالوں بعد ہمارا لڑکپن ختم کرتا ہے، پھر کچھ زیادہ وقت کے بعد بڑھاپا اور پھر موت تک بھی یہی سیکنڈ لے جاتا ہے۔ یوں زندگی کا عارضی چراغ بجھ جاتا ہے۔ بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوب ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے، رفتہ رفتہ، دم بدم

زندگی اور وقت

عربی مقولہ ہے: الوقت ھو الحیاۃ یعنی ''وقت ہی زندگی ہے۔'' زندگی وقت سے ہے اور وقت زندگی سے ہے۔ لہٰذا جو اچھی اور بامقصد زندگی گزارنا چاہتا ہے وہ وقت کی قدر کرے۔ وقت کی قدر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ایک ایک سیکنڈ کی قدر کی جائے۔ جو سیکنڈ کی قدر کرے گا وہ منٹ اور گھنٹوں کی قدر کرے گا۔ پھر اسی طرح دن، رات، ہفتہ، مہینہ، سال بھر کی قدر کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جو اپنا سیکنڈ ضائع کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی زندگی ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔

گھڑی کی سیکنڈ کی سوئی ٹک ٹک کر کے ہمیں خبردار کر رہی ہوتی ہے کہ میں بظاہر آگے جا رہی ہوں لیکن تمہاری زندگی کم کرتی جا رہی ہوں۔ وقت آگے جا کر ہمیں موت کی طرف دھکیلتا جا رہا ہے۔ عربی محاورہ ہے: ''الوقت کالسیف فان لم تقطعه لقطعک''، یعنی وقت تلوار کی طرح ہے، اگر تم نے (اس کا اچھا استعمال کر کے) اسے نہیں کاٹا تو یہ تمہیں کاٹ دے گا۔ اور وقت کی کاٹ ایسی ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ بچہ، جوان، بوڑھا، بادشاہ، امیر، غریب سب اس کی زد میں آ جاتے ہیں اور یہ بڑی بے رحمی سے اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔

''سیٹ'' ہونے کا انتظار: ایک فضول خواہش

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!

وقت ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔ یہ وقت جو آج ہے' اگر نکل گیا تو موت تک نہیں آئے گا۔ اس لیے وقت کی قدر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی قدر آج اور ابھی سے کی جائے۔ کل' پرسوں یا کسی معاملے کے طے ہونے کا انتظار نہ کیا جائے۔ زندگی میں سیٹ ہونا ممکن نہیں کیونکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی ہے' دنیا نہیں۔ دنیا تو آزمائش کا گھر ہے' یہاں سیٹ ہونے کا انتظار کرنا سعیٔ لاحاصل ہے' سمجھ دار انسان مسائل کے ساتھ جینا سیکھتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب شیطانی بہانے ہیں کہ پڑھائی سیٹ ہو جائے' نوکری سیٹ ہو جائے' گھر بار سیٹ ہو جائے' کاروبار سیٹ ہو جائے' صحت سیٹ ہو جائے اور پھر آخر میں یوں ہوتا ہے کہ مردے کو قبلہ رخ رکھ کر آواز لگائی جاتی ہے کہ ''اب سیٹ ہے۔''

ماضی' حال اور استقبال

جو اپنے آج کی فکر کرے گا اور اپنے عمل کو سدھارے گا' اس کا حال خود بخود درست ہو جائے گا۔ جس کا حال درست ڈگر پر ہے تو کچھ وقت کے بعد یہی حال ماضی بن چکا ہوگا اور اس طرح ماضی بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ اسی طرح استقامت کے ساتھ چلتا رہے تو یہی حال مستقبل میں بدل جائے گا۔ اس طرح ''اب''، ''آج'' اور ''حال'' کی فکر کرنے والے شخص کا ماضی' حال اور مستقبل تینوں سنور جائیں گے۔ اسے ماضی کا غم اور پچھتاوا جبکہ مستقبل کا خوف اور اندیشہ نہیں رہے گا۔ ان سب کا دارومدار آج اور ابھی کے عمل پر ہے۔

موبائل فون اور فضولیات

موجودہ دور میں ہمارے وقت کو ضائع کرنے والی سب سے بڑی چیز ہم سب کی جیبوں میں موجود ''موبائل فون'' کی صورت میں چھوٹا سا آلہ ہے۔ یہ ہمیں' وقت' بے وقت اپنے ساتھ مصروف کر لیتا ہے۔ ہم لاشعوری طور پر موبائل فون کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اس کے بغیر ہمیں زندگی ادھوری معلوم ہوتی ہے۔ موبائل فون کے دو چار فوائد کے چکر میں ہمارے عقائد و نظریات' عبادات و ریاضت' اخلاق و اقدار' معاشرتی تعلقات اور سب سے بڑی چیز یعنی ہمارا

وقت تہس نہس ہو گیا ہے۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ موبائل فون دو چیزوں کا سرچشمہ ہے: ''شہوات اور شبہات''۔ اس کے ذریعے ہر انسان کو ایک ایسے سوشل میڈیائی مصنوعی انسان میں بدل دیا گیا ہے جو کہ ریلز اور ویڈیوز کو دیکھتے ہوئے اپنے ناقابل واپسی وقت کو بدترین درجے میں ضائع کرتا جا رہا ہے۔

ایمان والوں کی خوبیاں

اللہ ربّ العزت نے قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر لایعنی باتوں' لغویات اور وقت ضائع کرنے والے کاموں کی بہت ہی شدت کے ساتھ مذمت فرمائی ہے۔ سورۃ المومنون میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ② وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③﴾

''وہ ایمان والے کامیاب ہو چکے' جو اپنی نماز میں خشوع کا اہتمام کرتے ہیں' اور بے مقصد فضول کاموں کو نظر انداز کرنے والے ہوتے ہیں۔''

یہاں ایمان والوں کی ایک اہم خوبی یہ بتلائی گئی کہ وہ ایسے کاموں سے خود کو بچاتے ہیں جن میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا۔ ایسے کام میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور زندگی بھی۔

سورۃ الفرقان میں ''عباد الرحمٰن'' کے عنوان سے اللہ کے خاص بندوں کی کچھ خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ:

﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ٧٢﴾ (الفرقان)

''اور جب کسی فضول معاملے کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔''

یعنی جب ایمان والوں کا گزر کسی ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں فضول کام ہو رہے ہوں اور وقت ضائع کیا جا رہا ہو تو وہ وقار کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں' وہاں ٹھہرنا پسند نہیں کرتے۔

سورۃ القصص میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ (آیت ۵۵)

''اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اسے ٹال دیتے ہیں۔''

ان کے کانوں میں جب کوئی فضول بات پڑتی ہے جیسے غیبت' حسد' گالیاں' بے حیائی کا تذکرہ'

گانا بجانا‘ میوزک وغیرہ تو وہ ایمان والے وہاں توجہ نہیں لگاتے۔

﴿وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ۫﴾

’’اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔‘‘

حساب دینے کی فکر انہیں مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے وقت اور اپنی صلاحیت کو غلط جگہ استعمال ہونے سے بچائیں۔ پھر کہتے ہیں کہ:

﴿سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۵۵﴾﴾

’’تم پر سلام ہے‘ ہم نادان لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔‘‘

یہ کہتے ہوئے سلامتی کی راہ لے لیتے ہیں کہ ہم جاہلوں سے نہیں الجھتے‘ کیونکہ جاہل سے سر کھپانا دیوار پر سر مارنے جیسا ہے جس سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔

وقت کی قدر کا آخری احساس

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَوۡ تَرٰۤی اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاکِسُوۡا رُءُوۡسِہِمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ (السجدة)

’’اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے (کھڑے) ہوں گے‘ (کہہ رہے ہوں گے کہ) ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے‘ اس لیے ہمیں (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیجیے‘ تاکہ ہم نیک عمل کریں‘ ہمیں اب اچھی طرح یقین آ چکا ہے۔‘‘

جب انسان اپنی موت دیکھتا ہے تو پھر اس کی زبان پر بڑے ہی عجیب کلمات جاری ہوتے ہیں۔ کہتا ہے کہ اب تو حقیقت ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور کانوں سے سن لی‘ لہٰذا اگر ہمیں ایک موقع دے کر دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو ہم اس دفعہ بھرپور عمل کریں گے۔

فضولیات سے پاک جگہ ’’جنت‘‘

قرآن کریم میں جنت کی ایک خوبی یوں بیان کی گئی ہیں:

﴿لَا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ﴿ؕ۱۱﴾﴾ (الغاشية)

’’وہ (جنتی) اس میں کوئی فضول بات نہیں سنے گا۔‘‘

﴿لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّ لَا کِذّٰبًا ﴿۳۵﴾﴾ (النبا)

’’وہ (جنتی) اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ ہی کوئی جھوٹ۔‘‘

وقت کی قدر و قیمت: حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ))

(سنن الترمذی:۲۳۱۷)

’’کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں کو چھوڑ دے۔‘‘

مسلمان ہونے کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی بدولت فضولیات سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

دو بڑی نعمتیں اور انسانی نفسیات

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ))

(صحیح البخاری:۶۴۱۲)

’’دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان نعمتوں کے حوالے سے دھوکے کا شکار ہیں: صحت اور فرصت۔‘‘

صحت اور فرصت دو عظیم نعمتیں ہیں۔ ان کی عظمت وہ لوگ اچھی جانتے ہیں جو برسوں سے بیماری میں مبتلا ہیں اور وہ جو بے جا مصروفیت کی وجہ سے اپنی فیملی تک کو وقت نہیں دے پاتے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ دو نعمتیں ہیں تو بہت بڑی لیکن ان سے متعلق دھوکا بھی ایسا لگتا ہے کہ انسان بس یہ سمجھنے میں اپنے روز و شب گزارتا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ میرا ساتھ دیں گی اور میں سدا یوں ہی صحت مند رہوں گا۔ اسی طرح فرصت کے جو لمحات آج میسر ہیں وہ ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے‘ ہم ماضی کو یاد کر کے خود کو کوستے ہیں کہ کاش میں فرصت کے لمحات کی کچھ قدر کرتا اور اپنے وقت کو کسی بہتر مشغلے میں لگاتا۔

رسول اللہ ﷺ کا اشارہ اس جانب ہے کہ اپنی صحت کی قدر کرو اور اپنے بدن کی قوت کو آج ہی سے بھلائی کے کاموں میں لگا دو‘ نہ جانے کل تمہاری صحت کیسی رہے۔ اس مغالطے سے

نکلو کہ تمہارے اندر جو قوت اور طاقت آج موجود ہے وہ ہمیشہ رہے گی۔ اسی طرح فرصت کے جو لمحات تمہیں میسر ہیں ان کی قدر کرو۔ ان کو زیادہ سے زیادہ اپنی آخرت بنانے میں لگا دو۔

نام نہاد ترقی یافتہ لوگ

موجودہ دور میں جن لوگوں کو زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے ان کے گھریلو حالات معلوم کر کے انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ کسی نے سالوں سے اپنے بچوں کو نہیں دیکھا‘ کوئی اپنی ازدواجی زندگی سے محروم ہو چکا اور کوئی اپنے والدین کی خدمت کے لیے وقت نکالنا تو درکنار ان کے جنازے تک نہیں پہنچ سکا۔ وہ مصروفیت کس کام کی جو ہمیں کسی کی خوشی میں شریک نہ کر سکے! وہ عیش و آرام کس کام کا جس کے حاصل کرتے کرتے انسان اپنی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا صحت اور فرصت کے لمحات کی بھرپور قدر کی جائے۔

انسانی زندگی کا بہترین نقشہ

ایک حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ انسانی زندگی کا بہترین نقشہ کھینچتے ہوئے انتہائی تاکید فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو:

(۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے
(۲) صحت کو بیماری سے پہلے
(۳) مال داری کو تنگ دستی سے پہلے
(۴) فرصت کو مصروفیت سے پہلے
(۵) زندگی کو موت سے پہلے

(مستدرک حاکم‘ راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

اللہ ربّ العزت نے جوانی کی نعمت سے نوازا ہے تو اس کی توانائی کو ضائع کرنے کی بجائے اسے اللہ کی رضا میں لگا دو۔ اللہ نے تمہیں صحت دی ہے‘ اس نعمت کو اللہ کی عبادت اور اللہ کے بندوں کی خدمت میں لگا دو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اسے زکوٰۃ‘ صدقات‘ خیرات‘ صلہ رحمی اور مستحق لوگوں پر لگاؤ۔ ربّ تعالیٰ نے تمہیں فرصت کے لمحات دیے ہیں ان کی قدر کرو اس سے پہلے کہ مصروفیت بہت بڑھ جائے۔ اور پھر سب سے بڑی بات اللہ نے تمہیں زندگی دی ہے‘ اس کو موت کے جھٹکے سے پہلے پہلے ناپ تول کر خرچ کرو۔

نیکی کا خیال آنا اور اسے ٹالنا

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے عمل کو آج اور ابھی سے بدلنے کی جستجو کی جائے‘ اسے کل پرسوں پر ٹالا نہ جائے۔ ہمارے دل میں جب کسی نیک کام کے کرنے کا خیال آتا ہے تو یہ خیال درحقیقت اللہ کی طرف سے مہمان ہوتا ہے۔ اگر میزبان اپنے مہمان کو نظرانداز کرے تو مہمان بدظن ہو کر دوبارہ اس میزبان کے پاس جانا پسند نہیں کرتا۔

ایک شخص نے سونے سے پہلے ارادہ کیا کہ کل صبح اٹھ کر توبہ کروں گا اور اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کروں گا۔ یہ ارادہ کر کے وہ سو جاتا ہے لیکن زندگی وفا نہیں کرتی اور وہ صبح اٹھ نہیں پاتا۔ اس کا کل کا ارادہ ایک ناکام ارادے میں بدل جاتا ہے۔ لہٰذا عمل کی اصل قوت یہی ہے کہ جب اس کا ارادہ کیا جائے تو اسی وقت اسے کر لیا جائے۔

شیطان کبھی یہ نہیں کہتا کہ تم نماز نہ پڑھو بلکہ وہ یوں کہتا ہے کہ نماز پڑھنا بہت اچھی بات ہے‘ ضرور پڑھنی چاہیے لیکن تم کل سے پڑھ لینا‘ جمعے کے مبارک دن سے نہا دھو کر شروع کر دینا یا رمضان المبارک کے مہینے میں شروع کر دینا۔ پھر وہ ’’کل‘‘ موت تک نہیں آتا۔

معمولات کو منظم کرنا

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے اوقات کو تقسیم کریں۔ چوبیس گھنٹے کوئی کم وقت نہیں ہے۔ وقت میں بے برکتی کی سب سے بڑی وجہ اسے منظم نہ کرنا ہے۔ کس وقت کیا کرنا ہے‘ یہ طے ہونا بہت ضروری ہے۔

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے لازم ہے کہ اپنے وقت کو اس انداز سے تقسیم کیا جائے کہ سب معاملات کو ضرورت کے مطابق وقت دیا جا سکے۔ کسی ایک کام کو زیادہ وقت دینا اور دوسرے کام کو معمولات سے خارج کرنا ناکام طرزِ زندگی کی علامت ہے۔

(۱) سب سے پہلے اپنے اندر وقت کی قدر کا احساس بیدار کیا جائے۔
(۲) اپنی زندگی کا مقصد سمجھا جائے۔
(۳) کون سا کام کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے‘ اسی کو اولین ترجیح بنایا جائے۔
(۴) دن بھر میں کچھ نہ کچھ نیا سیکھنے کے لیے ضرور وقت نکالا جائے۔

وقت کی تنظیم کا آسان طریقہ کار

اپنے دن بھر کے اوقات کو چار کاموں میں تقسیم کیا جائے:

(۱) عبادات: اس میں نماز روزہ‘ ذکر مناجات کا اہتمام ہو۔

(۲) معاش: ہر وہ حلال مصروفیت جائز ہے جس سے ہمارا گزر بسر ہو جائے۔

(۳) آرام: نیند رات کو جلدی سو کر پوری کی جائے۔ رات کے آخری پہر اٹھ کر عبادت کی کوشش کی جائے۔

(۴) خدمت: لوگوں کی عیادت‘ تعزیت‘ والدین کی زیارت‘ علاج معالجہ‘ اہل خانہ کو وقت دینا‘ بچوں کی تربیت‘ رشتہ دار‘ پڑوسی‘ دوست‘ احباب‘ متعلقین کے کام آنا۔ ان کے غم اور خوشی میں شریک ہونا۔ بیوہ‘ مسکین‘ یتیم‘ محتاج اور ضرورت مندوں کی مشکلات حل کرنا۔

اس کے ساتھ دعوتِ دین‘ تعلیم و تربیت‘ تصنیف و تالیف‘ تحقیق و تدریس‘ سیاست و جہاد‘ رفاہی اور فلاح و بہبود کے مختلف سلسلے جن سے مخلوقِ خدا اور ملت کی خدمت کی جا سکتی ہے۔

خواتین کے لیے خدمت کے ان تمام امور سے ہٹ کر ایک بہت بڑا باب یہ ہے کہ وہ اپنے گھر‘ شوہر اور بچوں کی خدمت میں خود کو لگائیں جو کہ حدیث مبارکہ کے مطابق ان کے لیے بہت بڑی بشارت کا ذریعہ ہے۔ مرد حضرات اپنے گھریلو امور سے بے فکر ہو کر مخلوق اور اُمّت کی جو خدمت کرتے ہیں‘ اس کا اجر خواتین کو برابر ملتا رہتا ہے‘ کیونکہ ان کی گھریلو خدمات کی وجہ ہی سے مرد اتنے بڑے پیمانے پر کام کرنے کے لائق بنتے ہیں۔

خلاصہ کلام

جو اپنے وقت کی قدر کرے گا وہ اپنی زندگی کی قدر کرے گا۔ جو اپنی زندگی کی قدر کرے گا وہ اس زندگی کو منظم طریقے سے گزار سکے گا۔ جو منظم طریقے سے زندگی گزارے گا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب رہے گا‘ ان شاء اللہ! ❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

میاں بیوی

سعد عبداللہ ☆

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے جس گوشے کے متعلق سب سے زیادہ احکامات صادر فرمائے ہیں وہ اس کا معاشرتی پہلو ہے۔ معاشرہ خاندان سے وجود میں آتا ہے‘ جس کا آغاز مرد و عورت کے پاکیزہ بندھن یعنی نکاح سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر خاندان صالح اور مضبوط ہو تو ایک صالح اور مضبوط معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ بصورتِ دیگر آج ہم بچشم سر یورپ کو دیکھ سکتے ہیں جہاں خاندان کی تباہی معاشرے کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ مغربی ثقافت کو اختیار کر کے آج مشرقی ممالک میں بھی خاندانی نظام تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے اور خاندانوں میں طلاق کی شرح خوف ناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ ذیل میں قرآن و حدیث کی روشنی میں میاں بیوی کے تعلق سے چند نکات بیان کیے جاتے ہیں جن کو اپنا کر ایک مثالی گھر قائم کیا جا سکتا ہے۔

بہترین لوگ کون؟

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي)) (سنن الترمذی)

’’تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے اہل و عیال کے حق میں بہتر ہیں‘ اور میں اپنے اہل و عیال کے حق میں تم میں سب سے بہتر ہوں۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو بطور مثال پیش فرمایا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا گھرانہ امن و آشتی کا مرکز بنے تو ذرا میرا اُسوہ اور نمونہ دیکھ لو۔

عورت کی خلقت کے مطابق برتاؤ

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’عورت پسلی کی ہڈی کی طرح ہے‘ اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے

☆ استاذ‘ قرآن انسٹیٹیوٹ‘ لطیف آباد‘ حیدر آباد

تو اسے توڑ دو گے (یعنی جدائی کی نوبت آ پہنچے گی) اور اگر تم عورت سے فائدہ اٹھانا چاہو گے تو تمہیں اس کا ٹیڑھا پن برداشت کرتے ہوئے اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھانا ہو گا۔‘‘ (صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ (ایک سفر کے موقع پر) اپنی بعض ازواجِ مطہرات ؓ کے پاس آئے جو اونٹوں پر سوار تھیں اور ان کے ہمراہ اُمّ سُلیمؓ بھی تھیں۔ (ایک حبشی غلام انجشہ تیزی کے ساتھ اونٹوں کو ہانک رہا تھا) آپ ﷺ نے (غلام کو مخاطب کر کے) فرمایا: ’’تیرا ناس ہو اے انجشہ! آبگینوں سے لدے اونٹوں کو آہستگی سے لے کر چلو۔‘‘ (صحیح بخاری)

شوہر کا مقام

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا تُؤَدِّي الْمَرْأَةُ حَقَّ رَبِّهَا حَتّٰى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا)) (المعجم الكبير للطبرانی)

’’قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! عورت اپنے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق اس وقت تک نہیں ادا کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔‘‘

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ’’شادی شدہ عورت کا والدین سے زیادہ اپنے شوہر کی اطاعت کرنا افضل ہے۔‘‘ (مجموع الفتاویٰ)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’دو لوگ ایسے ہیں جن کی نمازیں ان کے سروں سے اوپر بھی نہیں جاتیں (یعنی قبول نہیں ہوتیں): (۱) وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگ گیا ہو یہاں تک کہ واپس آ جائے۔ (۲) وہ عورت جو اپنے شوہر کی نافرمان ہو یہاں تک کہ وہ نافرمانی سے باز آ جائے۔‘‘

(المستدرک للحاکم)

شوہر: عورت کی جنت بھی اور دوزخ بھی

اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ)) (سنن الترمذی)

’’جو (مسلمان) عورت اس حال میں فوت ہو کہ اُس کا شوہر اُس سے خوش ہو وہ جنت

میں داخل ہوگی۔‘‘

حضرت حصین بن محصن ؓ فرماتے ہیں کہ ان کی پھوپھی (جن کا نام اسماء بتایا جاتا ہے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے کسی کام کے سلسلہ میں حاضر ہوئیں۔ جب ان کا کام ہوگیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ’’کیا تمہارا شوہر ہے؟‘‘ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ’’تم اپنے شوہر سے کیسا برتاؤ کرتی ہو؟‘‘ انہوں نے عرض کیا کہ حتی الامکان ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی‘ سوائے اس کے کہ جب میں خدمت کرنے سے (کسی عذر کی وجہ سے) عاجز ہی ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اُنْظُرِیْ اَیْنَ اَنْتِ مِنْهُ، فَاِنَّهُ جَنَّتُكِ وَنَارُكِ)) (سنن النسائی) ’’خاوند کے ساتھ اپنے برتاؤ کا جائزہ لیتے رہنا‘ کیونکہ وہی تیری جنت بھی ہے اور دوزخ بھی۔‘‘

شوہر کو راضی رکھنا اور اُس کے لیے بناؤ سنگھار

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’عورت اس وقت تک ایمان کی حلاوت (مٹھاس) نہیں پاسکتی جب تک وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔‘‘ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم)

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! بہترین عورت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’بہترین عورت وہ ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے۔‘‘ (سنن النسائی)

شوہر کا بیوی کے لیے زیب وزینت اختیار کرنا

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں: ’’میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنی اہلیہ کے لیے زیب وزینت اختیار کروں جیسا کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میری اہلیہ میرے لیے زیب وزینت اختیار کرے۔‘‘ (تفسیر ابنِ کثیر)

بیوی پر خرچ کرنا

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’تم جو کچھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے خرچ کرتے ہو تمہیں اس کا ضرور ثواب دیا جائے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو (اس پر بھی تمہیں ثواب ملے گا)۔‘‘ (صحیح بخاری)

نیکیوں میں باہمی تعاون

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے جس نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی (نماز پڑھنے کے لیے) جگایا۔ اگر بیوی نہ جاگی تو خاوند نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے (اور اس کی نیند کو بھگایا)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جس نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور اپنے خاوند کو بھی (نماز پڑھنے کے لیے) جگایا۔ اگر خاوند نہ جاگا تو بیوی نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے (اور اس کی نیند کو بھگایا)۔‘‘ (سنن ابی داوٗد)

میاں بیوی کے درمیان محبت بڑھانے کا پاکیزہ نسخہ

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ جس برتن سے منہ لگا کر پانی نوش فرماتی تھیں‘ اسی برتن سے اسی جگہ سے رسول اللہ ﷺ بھی اپنا منہ مبارک لگا کر پانی نوش فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

پیار بھرے الفاظ: احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ ؓ کو محبت اور دل جوئی میں کبھی ’’عائش‘‘ اور کبھی ’’حمیرا‘‘ کے نام سے پکارتے تھے۔ (صحیح بخاری)

بیوی کی تعریف: اہلیہ کسی بات پر ناراض تھی۔ خاوند نے ناراضی دور کرنے کے لیے کہا: ’’تم دُنیا کی دوسری بہترین عورت ہو۔‘‘ اہلیہ نے فوراً کرخت لہجے میں سوال کیا: تو پہلی کون ہے؟ خاوند نے جواب دیا: ’’تم‘ مگر جب مسکراؤ!‘‘ یہ سن کر ناراضگی کے آثار ختم اور اہلیہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

بداخلاقی سے بچنا: بیوی اپنے خاوند کی غربت‘ بدصورتی اور مصروفیات پر تو صبر کرسکتی ہے مگر اس کی بداخلاقی برداشت نہیں کرسکتی۔

اہلیہ کا دکھ محسوس کرنا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اہلیہ سفر پر تھے۔ اہلیہ حمل سے تھیں اور انہیں سردی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ ؑ نے ان سے فرمایا: ’’تم یہیں ٹھہرو! میں نے ایک آگ دیکھی ہے‘ شاید میں اس میں کوئی شعلہ تمہارے پاس لے آؤں۔‘‘ (سورۃ طٰہٰ‘ آیت ۱۰)

بیوی کے حقوق

حضرت معاویہ بن حیدہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: ہم پر بیویوں کے کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جب تم خود کھاؤ تو انہیں بھی کھلاؤ۔ خود پہنو تو

انہیں بھی پہناؤ۔ ان کے چہرے پر مت مارو۔ انہیں برا بھلا نہ کہو اور اگر کوئی ناراضگی کی بات ہو جائے تو انہیں گھر سے باہر مت نکالو۔'' (سنن ابی داؤد)

نیک بیوی کی صفات

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (النساء: ۳۴)

''نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں' خاوند کی غیر موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حفاظت سے (ان کے حقوق اور مال وآبرو کی) حفاظت کرتی ہیں۔''

حقوقِ زوجیت کی رعایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهِ فَلَمْ تَأْتِهِ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ)) (متفق عليه)

''جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے' پس خاوند وہ رات اس سے ناراضی کی حالت میں گزارے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''

ازدواجی زندگی کے احوال مخفی رکھنا

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین درجہ ان میاں بیوی کا ہوگا جو ایک دوسرے کے ساتھ خلوت اختیار کریں اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک باہمی راز کی باتیں لوگوں میں ظاہر کرے۔'' (جامع الاصول من احاديث الرسول)

شیطان کا پسندیدہ مشغلہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابلیسِ لعین اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور لوگوں کو ورغلانے کے لیے اپنے چیلوں کو بھیجتا ہے۔ پھر ابلیس کے سب سے قریب وہ شیطان ہوتا ہے جس کا فتنہ سب سے بڑا ہو۔ چنانچہ ان میں ایک چیلا آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آج ایسا کیا ویسا کیا۔ ابلیس کہتا ہے کہ ٹھیک ہے لیکن تو نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ پھر ایک اور چیلا آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں میاں بیوی کے پیچھے پڑا رہا اور بالآخر دونوں میں تفرقہ ڈال ہی دیا۔ یہ سن کر ابلیس خوش ہو کر اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے: ہاں تم نے

خوب کیا۔ پھر ابلیس اس چیلے کو گلے لگا لیتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

ناشکری

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے دوزخ دکھلائی گئی تو اس میں مَیں نے زیادہ تر عورتوں کو پایا۔'' صحابہ کرامؓ نے وجہ معلوم کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کفر کرتی ہیں۔'' عرض کیا گیا: کیا اللہ تعالیٰ کا کفر کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں۔ (وہ یوں کہ) اگر تم کسی عورت کے ساتھ عرصہ دراز تک احسان کرتے رہے اور اس کے بعد وہ کوئی ناگوار بات تم میں دیکھ لے تو فوراً کہہ دے گی کہ میں نے تو کبھی تجھ سے آرام (سکھ چین) نہیں پایا۔'' (صحیح بخاری)

اسمارٹ فون

آج گھروں میں میاں بیوی کا ایک دوسرے پر شک اور طلاق تک نوبت پہنچنے کا سب سے بڑا سبب اسمارٹ فون ہے۔ لہٰذا میاں بیوی کو گھر میں موبائل فون استعمال کرنے کا ایک مخصوص وقت متعین کر لینا چاہیے کہ جس کے بعد دونوں موبائل فون یا کوئی سوشل میڈیا ایپ استعمال نہ کریں۔ ❁❁❁

بقیہ: مسجد اقصیٰ سے متعلق ایک اہم حدیث

حیثیت یہاں پر وقتی طور پر اقامت پذیر لوگوں کی ہے۔ اسی لیے اگر کوئی شخص سات سال تک قدس سے باہر رہ جاتا ہے تو اس کا حق شہریت چھین لیا جاتا ہے اور اس کی املاک پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔

☆ ایک مسلمان کے لیے اب مسجد اقصیٰ کے قریب رہائش بڑی خطرناک صورت اختیار کر گئی ہے۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ رات کی تاریکی میں جب وہ نماز کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے نکلتے ہیں تو کوئی چھپا ہوا شخص ان پر حملہ کر دیتا ہے۔

اس طرح یہود کی یہ پلاننگ ہے کہ مستقبل قریب میں بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے قریب کوئی مسلمان نہ رہ جائے تاکہ انہیں اپنی مَن مانی کرنے اور اسے گرا کر وہاں پر ہیکل سلیمانی تیار کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی یہ ناپاک کوشش کامیاب نہ ہو! ❁❁❁

اسلام میں حقوق العباد: ایک مختصر جائزہ

ممتاز ہاشمی

ایک مسلمان پر حقوق اللہ کے بعد سب سے اہم ذمہ داری حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ یہ وہ حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انسان کے لیے دوسرے انسان پر عاید کیے گئے ہیں۔ ان کو دینِ اسلام کا ایک اہم حصہ بنایا گیا ہے۔

صرف وہی معاملات حقوق العباد تصور کیے جائیں گے جس کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ نے دیا ہے۔ اس کے برعکس ایسے معاملات جو کسی معاشرے میں حکمرانوں نے اپنی مرضی یا سہولت کے لیے نافذ کیے ہوں اور شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے متصادم ہوں' ان کو حقوق العباد کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام اہلِ ایمان کے ذمہ امانتیں ہیں اور ان میں کسی قسم کی خیانت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت نہایت اہم ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾﴾ (الانفال)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (ﷺ) سے (ان کے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب حقیقت) جانتے ہو۔''

حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی اللہ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ عمل ہے جس کی تلافی نہ کرنے کی صورت میں روزِ قیامت سخت گرفت ہوگی۔

حقوق العباد میں سب سے بڑا حق والدین کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں پانچ مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق (یعنی اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے) کے بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے تمام حقوق کی ادائیگی ہر صاحبِ ایمان کے لیے اوّلین ترجیحات میں شامل ہونی چاہیے۔ اس کے بعد

ترجیح انسانی جان کی حرمت ہے۔ سوائے مخصوص حالات کے' کسی کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾﴾ (المائدۃ)

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو' قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔ اور ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔''

اگرچہ شریعت میں قتل کی سزا قصاص اور دیت کی بنیاد پر نافذ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ سزائیں دراصل معاشرے میں جرائم کو روکتی اور ورثاء کے نقصان کا ایک حد تک ازالہ کرتی ہیں۔ یہ جرم اس قدر شدید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کا قتل قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک انسان سے وابستہ صرف اُس کے خاندان کے لوگ ہی نہیں بلکہ معاشرے کے تمام افراد ہوتے ہیں۔ اس ایک انسان کے ضیاع سے پورا معاشرہ اس کی صلاحیتوں اور قابلیت سے استفادہ کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہر انسان کی جان اللہ کی تعالیٰ امانت ہے اور اس میں خیانت کا اختیار اُس شخص یا کسی اور کو نہیں دیا گیا ہے۔

انسانی جان کے بعد ایک اہم حق معاشرے میں عدل اور انصاف کی فراہمی کا ہے۔ اس میں خیانت کی شکلیں رشوت' بدعنوانی' دھوکہ دہی' اقربا پروری اور لالچ کی صورتوں میں نمایاں ہیں۔ یہ معاشرے میں ہر قسم کے بگاڑ کی بنیاد ہیں۔ اللہ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾﴾ (البقرہ)

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو' نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو' حالانکہ تم جانتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں دوسروں کے مال واسباب ناجائز طور پر اور ناحق کھانے سے منع کرتا ہے۔

پھر حکمرانوں (جس میں تمام اربابِ اختیار شامل ہیں) کو رشوت دینے کی ممانعت ہے۔ جب رشوت خوری عمل میں آتی ہے تو دوسرے کا حق لازمی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ رشوت معاشرے میں تباہی پھیلانے والے بڑے جرائم اور برائیوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے رشوت لینا اور دینا گناہِ عظیم ہے۔ اس غیر قانونی عمل میں کسی طرح کی اعانت‘ سہولت کاری اور مددگار بننے والے بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ کسی صاحبِ ایمان کی جانب سے رشوت کے نظام کا حصہ بننا دراصل اللہ کی امانتوں میں خیانت کے مترادف ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے ذیل میں دی گئی احادیث سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِي (رواه ابو داود وابن ماجة والترمذی)

”رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔“

اسی طرح حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِي وَالرَّائِشِ، يعني: الذي يمشي بينهما (مسند احمد: ۲۴۰۷)

”رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے‘ رشوت لینے والے اور ان دونوں کے درمیان دلالی کرنے والے‘ تینوں پر لعنت کی ہے۔“

اس قسم کے جرائم کی وجہ سے لوگوں کے درمیان معاشی ناہمواری پیدا ہوتی ہے اور وہ تہذیبی پستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں حاکم وقت کی ذمہ داریوں میں یہ بات انتہائی اہم ہے کہ وہ انسانوں کے درمیان عدل قائم کرے اور ان تمام ذرائع کو ختم کرنے کا اہتمام کرے جو انسانوں کے حقوق کی پامالی کا سبب بنتے ہیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خلفائے راشدین اور ہمارے اسلاف اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے انتہائی فکرمند رہتے تھے‘ کیونکہ ان کو اس بات کا ادراک تھا کہ ان انسانی حقوق کی عمل داری کو یقینی بنانا ان کے فرائض میں شامل ہے۔

حاکم وقت کے بعد سب سے زیادہ ذمہ داری قاضی پر عائد ہوتی ہے‘ جس کی اولین ترجیح بروقت اور فوری انصاف کی فراہمی ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں انسانی حقوق کی تمام

خلاف ورزیوں کو روکا جاسکتا ہے۔

دینِ اسلام مسلمانوں کے درمیان تحائف کے تبادلے کا حامی ہے‘ لیکن تحائف کو رشوت کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔ دونوں بالکل مختلف ہیں۔ اسلام میں تحائف کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے‘ تاہم تحائف کی وہ شکل جس میں کسی قسم کی بھی رعایت اور سفارش کا عنصر شامل ہو اس کو اسلام میں رشوت کے معنی میں ہی لیا جائے گا۔

حقوق العباد میں ایک اہم چیز دوسروں کا اِکرام واحترام ہے۔ اسلام کسی کی توہین وتذلیل اور عزّتِ نفس مجروح کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ بدزبانی اور گالم گلوچ کو نفاق کی نشانیوں میں سے گنا گیا ہے اور اسے فسق ونافرمانی قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ)) (متفق علیه)

”کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔“

جب ہم آج کی دنیا کا جائزہ لیتے ہیں تو انتہائی شرم ناک صورت حال سامنے آتی ہے۔ مسلمان ممالک اور معاشروں میں عمومی طور پر حقوق العباد کی ادائیگی کا فقدان ہے۔ اس کے برعکس غیر مسلم معاشروں میں انسانی حقوق کی پاسداری کی جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں پر انسانی حقوق کا تصور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع نہیں ہے مگر ان میں عدل کو کافی حد تک فوقیت دی گئی ہے۔ اسی لیے دنیاوی زندگی میں یہ معاشرے نہ صرف ترقی یافتہ ہیں بلکہ دنیا میں حکمرانی کر رہے ہیں۔ اس بات کی وضاحت تاریخ سے ہو جاتی ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کی اور دین اسلام کے نفاذ کو یقینی بنایا‘ انہیں دنیا کی نہ صرف حکمرانی عطا کی گئی بلکہ وہ انتہائی خوش حال اور ترقی یافتہ معاشرے تھے مگر جیسے جیسے دین اسلام سے روگردانی ہوتی گئی‘ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عذاب معاشرتی برائیوں اور پستی کی شکل میں سامنے آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمان معاشروں کی کوئی اہمیت اور عزت نہیں ہے۔ چنانچہ ایمان کے دعوے داروں کے لیے لازم ہے کہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی کو یقینی بنائیں تاکہ نہ صرف دنیاوی زندگی بلکہ آخرت میں بھی کامیابی حاصل کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق العباد کو بجالانے اور اس کی خلاف ورزیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁

خلافت کی فرضیت
اور
اس کے قیام کا نبویؐ طریقہ کار

مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ

فریضۂ اقامتِ دین یا فرضیتِ خلافت کے حوالے سے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا خود ساختہ تصوّر ہے‘ سلف سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اس اعتراض کا ہماری طرف سے اس سے قبل بھی ان صفحات میں تفصیل سے جواب دیا جا چکا ہے جواب کتابی شکل میں بھی ’’فریضہ اقامت دین: اسلاف کی آراء و تعامل‘‘ کے عنوان سے دستیاب ہے۔ اس کتاب میں پہلی صدی ہجری سے دورِ حاضر تک کے تمام اسلافِ اُمت کے فریضۂ اقامتِ دین کی فرضیت کے قائل ہونے کے دلائل‘ ان کی تفاسیر‘ فقہ اور اُصولِ فقہ کی کتابوں سے دیے گئے ہیں۔ حال ہی میں اس حوالے سے دورِ حاضر کی ایک بہت بڑی علمی شخصیت محترم مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہؒ (سابق شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک و امیر تحریک نفاذِ اسلام) کا ایک مضمون بعنوان ’’فرضیت خلافت اور اس کے قیام کا نبویؐ طریقہ کار‘‘ سامنے آیا جو ماہنامہ ’’نوائے افغان جہاد‘‘ میں بالاقساط (ستمبر ۲۰۱۱ء تا جنوری ۲۰۱۲ء) شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہؒ نے نہ صرف اقامتِ خلافت کو فرضِ عین قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے قیام کے لیے جو جماعت بنائی جائے وہ بھی مروّجہ جمہوری طریقہ پر نہیں بلکہ سمع وطاعت کے ٹھیٹھ نبویؐ طریقہ کار پر قائم ہو‘ اور امام مالکؒ کے قول ’’لَا یَصْلُحُ آخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا‘‘ کی روشنی میں انقلاب نبویؐ پر مبنی وہی منہج اختیار کرے جو نبی اکرم ﷺ کا منہج تھا۔

منہج کے حوالے سے بانی تنظیم کے بیان کردہ طریقہ سے مختلف انداز اختیار کرتے ہوئے ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے منہجِ انقلاب نبویؐ کے دو بڑے مراحل ’’دعوت اور جہاد‘‘ کی شکل میں بیان کیے ہیں۔ مرحلہ دعوت کے ساتھ مختصراً انہوں نے تربیت‘ تنظیم اور صبر محض کا بھی ذکر فرمادیا ہے جبکہ مرحلہ جہاد میں اقدام اور مسلح تصادم کے مراحل کا سیرتِ مطہرہ کی روشنی میں بیان تو واضح انداز میں فرمایا ہے لیکن پاکستان کے معروضی حالات کے تناظر میں مسلح تصادم کے بجائے عدم تشدد پر مبنی پُرامن طریق کار جو تنظیم اسلامی کے پیشِ نظر ہے‘ وہ بیان نہیں کیا۔ البتہ اپریل ۲۰۱۰ء میں جامعہ اشرفیہ‘ لاہور میں علمائے دیوبند کا ایک اہم اجتماع منعقد ہوا جس میں تقریباً ۱۵۰ جید علماء نے شرکت کی اور تین دن کی مسلسل مشاورت اور غور وفکر کے بعد ان کی طرف سے ایک مشترکہ موقف اعلامیہ کی صورت میں جاری کیا گیا۔ اس میں بہت سے دیگر امور کے علاوہ بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے عدم تشدد پر مبنی تبدیلی کے پُرامن طریق کار سے مکمل اتفاق کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا: ’’تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے مقاصد پر نفاذِ شریعت کے مطالبہ کو اوّلیت دے کر حکومت پر دباؤ ڈالیں اور اس غرض کے لیے مؤثر مگر پُرامن جدّوجُہد کا اہتمام کریں اور عوام کا فرض ہے کہ جو جماعتیں اور ادارے اس مقصد کے لیے جدّوجُہد کر رہے ہیں‘ ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔‘‘

یہ مضمون اس اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ ہمارے قدیم روایتی مدارسِ دینیہ سے تعلق رکھنے والی ایک معروف علمی شخصیت کا بھی فریضہ اقامت دین کے حوالے سے تھوڑے سے فرق کے ساتھ وہی موقف ہے جو بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ہے۔ تنظیم اسلامی اسی طریق کار کے مطابق آج بھی اقامتِ دین کی جدّوجُہد کر رہی ہے۔ لہٰذا تنظیم اسلامی غلبہ واقامتِ دین کے جس مشن پر گامزن ہے وہ کوئی نئی بدعت یا اختراع نہیں ہے بلکہ ہمارے اسلاف کا بھی یہی مشن رہا ہے۔

اب مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ کا متذکرہ بالا مضمون ملاحظہ ہو:

فرضیتِ خلافت

جیسے مسلمانوں کی دنیوی واُخروی سعادت اور کامرانی ’’اسلامی نظامِ خلافت‘‘ کے ساتھ وابستہ ہے‘ اسی طرح اسلام کی دعوت‘ غلبہ واقتدار کا انحصار ’’خلافت‘‘ پر ہے۔ امام الرسل ﷺ کے مقصدِ رسالت یعنی اظہارِ دین کا حصول بھی ’’خلافت‘‘ ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اس لیے اللہ

تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر اقامتِ خلافت اور خلیفہ کے تقرر کو فرض قرار دیا ہے تاکہ ہر دور میں خلافت کے ذریعے مقصدِ رسالت ''اظہارِ دین'' حاصل کیا جاتا رہے۔

فرضیتِ خلافت قرآن و سُنّت اور اجماع سے ثابت ہے اور خیر القرون سے آج تک تمام فقہائے مذاہب، مجتہدین علماء کرام خلافت کے قیام کی فرضیت پر متفق ہیں۔

فرضیتِ خلافت: قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ﴾ (البقرہ:۳۰)

''یقیناً میں زمین میں ایک نائب (خلیفہ) بنانے والا ہوں۔''

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہ آیت امام وخلیفہ کے تقرر کے بارے میں قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسا امام جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تاکہ (اسلام کی شیرازہ بندی) اس سے مجتمع رہے اور خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔ اُمّت اور ائمہ میں خلیفہ کے تقرر کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔'' (الجامع لاحکام القرآن)

سورۃ النور میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ﴾ (النور:۵۵)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا، اور ان کے دین کو جسے اُس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا، اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔''

اس آیت میں ایمان اور نیک عمل کا انعام اس دنیا میں خلافت کے قیام کو قرار دیا گیا ہے جس کے لازمی نتیجے کے طور پر دین کا استحکام اور امن وامان کا قائم ہو جانا ہے۔ اگر خلافت قائم ہو تو لازماً ایک خلیفہ ہوگا جس کی اطاعت کی جائے گی اور اگر خلافت قائم نہیں ہے تو اس کے قیام کے لیے ایک جماعت ہوگی اور پھر اس کا ایک امیر ہوگا جس کی اطاعت کی جائے گی۔ جیسا کہ اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾ (النساء:۵۹)

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں صاحبِ امر ہوں۔''

اس آیت میں ''اولی الامر'' کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اولی الامر کے وجود کے بغیر اطاعت اولی الامر کا تصور ناممکن ہے۔ جس شخص کا وجود ہی نہیں اس کی اطاعت کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا اطاعت اولی الامر کی فرضیت سے اولی الامر کے تقرر کی فرضیت نص سے ثابت ہوتی ہے۔

پھر یہی نظامِ خلافت دراصل قیامِ عدل وقسط کی عملی شکل ہے جس کے لیے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (الحدید:۲۵)

''تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔''

اور واضح طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا حکم دیا:

﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (ص:۲۶)

''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔''

پھر یہی خلافت کا قیام رسول اللہ ﷺ کے مقصدِ رسالت یعنی اظہارِ دین کی بھی تکمیل کرتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾﴾ (الصف)

''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب ادیان پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔''

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر دین اسلام قیامت تک کے لیے ہے تو اس کا غلبہ بھی قیامت تک ہر دور میں مقصودِ رسالت ہے اور یہ غلبہ بغیر خلافت وحکومت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا غلبہ اسلام کے حصول کے لیے اقامت خلافت لازم ہے۔

فرضیتِ خلافت: احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً))

(صحیح مسلم' کتاب الامارۃ)

''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں (کسی خلیفہ کی) بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کی بیعت کو فرض قرار دیا ہے اور خلیفہ کی بیعت اس کے تقرر کے بغیر نہیں ہو سکتی' لہٰذا خلیفہ کا تقرر فرض ہوا۔ چونکہ خلافت کا قیام فرض ہے اور یہ خلیفہ کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے خلیفہ کی عدم موجودگی میں واقع ہونے والی موت کو جاہلیت کی موت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے:

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ إِمَامٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)) (کتاب السُّنّة)

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس پر کوئی امام (خلیفہ کی حکومت) نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے خلیفہ کی اطاعت کو بھی فرض قرار دیا ہے:

((اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا، وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ))

(صحیح البخاری)

''سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام ہی کو عامل (امیر) بنا دیا جائے۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ)) (صحیح البخاری)

''مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے' پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں۔''

خلیفہ کی اطاعت تب ہو سکتی ہے جب خلیفہ موجود ہو۔ جو چیز موجود نہیں اس کی اطاعت کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا خلیفہ کی اطاعت کی فرضیت سے خلیفہ کے تقرر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

فرضیتِ خلافت: صحابہ کرامؓ اور اسلاف کی نظر میں

رسول اللہ ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے جو خطبہ دیا' اس میں فرمایا:

''سنو! محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور اس دین کے لیے ایسا شخص (خلیفہ) ہونا ضروری ہے جو اسے قائم کرے۔'' (مواقف ۔۔۔ الرابع بحوالہ اسلام کا سیاسی نظام)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے پہلے خلیفہ کا انتخاب فرمایا۔ اسی چیز کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توجہ آنحضرت ﷺ کے دفن سے پہلے خلیفہ کے تعین و تقرر کی طرف مائل ہوئی۔ اگر صحابہ کرامؓ کو شریعت کی طرف سے خلیفہ مقرر ہونے کی فرضیت معلوم نہ ہوتی تو وہ حضرات ہرگز خلیفہ کے تقرر کو آنحضرت ﷺ کے دفن پر مقدم نہیں کرتے۔'' (ازالة الخفاء)

اسی طرح امام احمد بن حجر الہیثمیؒ لکھتے ہیں:

''جان لیجیے کہ صحابہ کرامؓ نے زمانہ نبوت کے بعد امام کے تقرر کے وجوب پر اجماع کیا ہے بلکہ اسے فرائض میں سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے' اس طرح کہ انہوں نے (خلیفہ کے تقرر کے معاملے کو حل کرنے کی وجہ سے) رسول اللہ ﷺ کی تدفین کو مؤخر کر دیا۔'' (الصواعق المحرقة)

اسی حوالے سے علامہ طبریؒ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

''جب میں فوت ہو جاؤں تو تین دن تک مشورہ کرو اور چوتھا دن نہ آنے پائے کہ تمہارا ایک خلیفہ مقرر ہو۔'' (المفردات للراغب الاصفہانی)

امام نسفیؒ مسلمانوں کے لیے قرآن و سُنّت کے مطابق حکمرانی کرنے والے امام و خلیفہ کی ضرورت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مسلمانوں کے لیے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو احکامات نافذ کرے' حدود کو قائم کرے' سرحدوں کی حفاظت کرے' صدقات وصول کرے' سرکشوں' چوروں اور ڈاکوؤں پر قابو پائے اور جمعہ و عیدین کو قائم کرے' وغیرہ۔'' (شرح العقائد النسفیہ)

امام ابن تیمیہؒ اقامتِ خلافت کو فرائضِ دینیہ میں سب سے بڑا فریضہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ جان لینا ضروری ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی و ریاستی) معاملات کے لیے ولایت (خلافت و حکومت) دینِ اسلام کے فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا کا

قیام اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔'' (السیاسة الشرعیه)

وہ مزید فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو واجب کیا ہے اور یہ طاقت وامارت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمام وہ احکامات جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے یعنی جہاد، عدل کا قیام، حج، جمعہ وعیدین کی اقامت، مظلوم کی مدد اور اقامتِ حدود (یہ سب معاملات) طاقت وامارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے۔'' (مجموعہ فتاویٰ لابن تیمیہ)

امام علاؤالدین الکاسانی الحنفیؒ لکھتے ہیں:

''امامِ اعظم (خلیفہ) کا تقرر فرض ہے، اہلِ حق کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔'' (بدائع الصنائع)

فرضیتِ خلافت: فرضِ عین یا فرضِ کفایہ؟

ایک سوال یہ اُٹھتا ہے کہ فرضیت خلافت سے کون سا فرض مراد ہے: فرضِ عین یا فرضِ کفایہ؟ اگر بالفرض اسے فرضِ کفایہ بھی لیا جائے تو فقہاء کے نزدیک اور علماء اصول کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ فرضِ کفایہ مقررہ مدت کے اندر ادا نہ کیا جائے تو وہ فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ خلافت کا قیام ابتداءً فرضِ کفایہ ہے لیکن اگر مقررہ مدت یعنی تین دن کے اندر کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں گے تو فرضِ عین ہو جائے گا۔

جیسے جہاد ابتداءً فرضِ کفایہ ہے لیکن مقررہ مدت میں کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں تو فرضِ عین ہو جاتا ہے، اور جب تک اسے ادا نہ کیا جائے گا تو سب لوگ گنہگار رہتے ہیں۔ جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے، لیکن مقررہ مدت میں کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں تو فرضِ عین ہو جاتا ہے اور تمام لوگ عدمِ ادائیگی کی وجہ سے گنہگار رہتے ہیں۔

بیسویں صدی کے پہلے ربع میں خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد سے آج تک نظامِ خلافت معطل ہے اور خلیفہ کا تقرر نہیں ہو سکا ہے۔ مذکورہ دلائل کی روشنی میں نظامِ خلافت کا احیا اور خلیفہ کا تقرر اس وقت سے آج تک فرضِ عین ہے جیسے نماز اور روزہ فرضِ عین ہے۔ اس کا جلد از جلد ادا کرنا تمام مسلمانوں کے ذمے باقی ہے۔

سقوطِ خلافت کے نقصانات

نظامِ خلافت کے سقوط کے بعد سے آج تک مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ دنیا کے سامنے

ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ کا وجود بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کے انہدام کے بعد پوری دنیا میں اسلامی قوانین معطل، نظامِ جہاد درہم برہم، مرکز کا فقدان، اسلامی دنیا چھوٹے چھوٹے ممالک میں منقسم، کافر قوتوں کا فکری، سیاسی، عسکری واقتصادی غلبہ اور بےبس ومجبور مسلمان دنیا کے ہر کونے میں مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ آج پوری ملّتِ اسلامیہ ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) ''تم پر جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا لازم ہے'' کے حکم پر عمل پیرا نہ ہونے کے باعث نہ صرف یہ کہ ملک اور گروہوں میں تقسیم ہوگئی ہے بلکہ ((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) ''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے'' کی بشارت اور اللہ کی نصرت سے بھی محروم ہوگئی ہے۔ جب تنزل کے یہ سارے مراحل طے ہو چکے ہیں تو فوراً شیطان اور اس کے ایجنٹ یہودیوں نے ملت اسلامیہ کو اپنی سازشوں کی دلدل میں گھسیٹ لیا۔ پھر اُمّتِ مُسلمہ کا رہا سہا اسلام بھی جاتا رہا۔ اب وہ نام کے تو مسلمان ہیں مگر انہوں نے اپنی زندگی میں غیر اللہ کے قانون کو اپنایا ہوا ہے۔ اگر ہم حقیقتِ حال کا جائزہ لیں تو یہ زبوں حالی اصل میں عذابِ الٰہی ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ آج ہم اللہ کے دین کی صحیح نمائندگی نہیں کر رہے۔ ہم زمین پر اللہ کے دین کے نمائندے بنائے گئے تھے لیکن آج ہم پوری دنیا میں کوئی ایک ملک بھی بطور ماڈل نہیں دکھا سکتے جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ لوگو! آؤ یہ ہے نظامِ خلافت، یہ ہے نظامِ مصطفیٰ ﷺ، یہ ہیں اللہ کے دینِ حق کے قیام کی برکات! لہٰذا آج ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔

اس عذاب سے نکلنے کی ایک ہی صورت اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے خاتم الانبیاء ﷺ کا اُسوۂ حسنہ جو ہمارے لیے مینارۂ نور ہے۔ وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان رجوع الی اللہ کرتے ہوئے اپنی انفرادی واجتماعی زندگی اسلامی نظامِ حیات کے مطابق ڈھالیں اور خلافت کے قیام کے لیے انتہائی جدّوجُہد کریں۔ دنیا کے کم از کم کسی ایک ملک میں صحیح اسلامی نظام قائم کر کے دکھادیں اور پھر دنیا کو دعوت دیں کہ آؤ دیکھو! یہ ہے ''اسلام'' اور یہ ہے ''خلافت!''

رائج الوقت نظام (سیکولرازم) بمقابلہ دینِ اسلام (نظامِ خلافت)

اگر ہم انسانی زندگی کو دیکھیں تو اس کے دو حصے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ انفرادی زندگی سے متعلق ہے۔ موجودہ زمانے میں فرد کو آزاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ''سیکولرازم'' میں ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے عقائد اپنا لے۔ چاہے وہ ایک خدا کو مانے،

چاہے سو کو مانے‘ یا ہزار کو مانے‘ چاہے کسی کو بھی نہ مانے۔ اسی طرح چاہے بتوں کے آگے سجدہ کرے یا ایک نادیدہ خدا کی عبادت کرے۔ چاہے روزے رکھے‘ نماز پڑھے‘ چاہے مندر میں جائے یا چرچ میں‘ اس کو اجازت ہے۔ اسی طرح شادی کے موقع پر چاہے نکاح پڑھوائے‘ چاہے پھیرے ڈلوائے۔ فوت شدہ شخص کی میت کو چاہے دفن کیا جائے‘ چاہے اسے جلا دیا جائے۔

زندگی کا دوسرا حصہ اجتماعی نظام یعنی تہذیب وتمدن‘ ریاست اور سیاست‘ معیشت اور معاشرت سے متعلق ہے۔ سیکولر نظام میں اس کے اصول وضوابط خالصتاً انسانی عقل کے تحت پر رائے شماری (جمہوریت) کی بنیاد پر بنیں گے۔

اگر ہم دین اسلام کو دیکھیں تو یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ وہ زندگی کے انفرادی گوشوں کے متعلق بھی ہدایت دیتا ہے اور اجتماعی معاملات میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ جہاں تک اسلام کے انفرادی گوشوں کا تعلق ہے تو یہ مغرب کو کسی حد تک قابلِ قبول ہے۔ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے امریکہ میں آ کر یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں خریدیں اور انہیں مسجد بنا لیا‘ ہم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مسلمانوں نے امریکہ اور یورپ میں آ کر بڑی تعداد میں لوگوں کو مسلمان کر دیا‘ ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس لیے کہ انفرادی زندگی میں ان کی اسلام سے کوئی خاص جنگ نہیں ہے۔ ان کا تو یہاں تک معاملہ ہے کہ وہ رمضان المبارک میں مسلمانوں کو وائٹ ہاؤس میں بلا کر ’’افطار پارٹی‘‘ بھی دے دیتے ہیں اور عید سے پہلے مسلمانوں کے ڈاک ٹکٹ ایشو کر دیتے ہیں۔ انہیں اس میں بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ البتہ ایک ’’نظام‘‘ کی حیثیت سے اسلام انہیں قطعاً گوارا نہیں ہے۔ اسلام کے اسی تصور کو وہ ’’بنیاد پرستی‘‘ (Fundamentalism) کا نام دیتے ہیں۔ اس وقت جس نے بھی اسلام کو ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے نافذ کرنے کی بات کی ہے‘ اس پر چڑھ دوڑے ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ ’’دہشت گردی کے خلاف جنگ‘‘ کا نعرہ لگاتے ہیں تو کبھی ’’بنیاد پرستی‘‘ کے خلاف جنگ کا۔ حقیقت میں یہ جنگ ’’اسلام کے نظامِ حیات‘‘ یعنی ’’اسلامی نظام خلافت‘‘ کے خلاف ہے۔

مستقبل قریب میں نظام خلافت قائم ہو کر رہے گا!

اس وقت امریکہ اور اس کے حواری اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ دنیا میں کہیں اسلامی نظام خلافت کا ظہور نہ ہو۔ آج پوری مغربی دنیا پر بالفعل یہ خوف طاری ہے کہ کہیں دنیا کے کسی کونے

میں شرعِ پیغمبری ﷺ کا عملی ظہور نہ ہو جائے۔ یہ وہی بات ہے جو علامہ اقبال نے ابلیس کی زبان سے کہلوائی تھی: ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں!

یہ وہی چیز ہے جس کی خوشخبری الصادق والمصدوق رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور آپ ﷺ نے جو کہا سچ کہا اور وحی کے مطابق کہا۔ جو ذرّہ برابر بھی ان کی بتائی ہوئی باتوں پر شک کرے اس کا ایمان کسی قابل نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’کُل روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا‘ نہ اونٹ کے بالوں کے کمبلوں سے بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے‘ خواہ کسی عزّت دار کو عزّت دے کر اور خواہ کسی ذلت والے کو ذلیل کر کے۔ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ انہیں عزّت دے گا اور اہل اسلام میں داخل کرے گا یا انہیں مغلوب کر دے گا‘ چنانچہ وہ (جزیہ دے کر) اسلام کی بالادستی قبول کر لیں گے!‘‘ پھر راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: پھر تو دین (نظام) کُل کا کُل اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جائے گا۔‘‘ (مسند احمد بن حنبلؒ)

اور اس خطے کے لیے جس میں ہم موجود ہیں‘ مزید یہ خوشخبری بیان کی:

’’خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور انہیں کوئی طاقت واپس نہیں پھیر سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیا (یعنی بیت المقدس) میں نصب کر دیے جائیں گے۔‘‘ (جامع ترمذی)

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

’’تمہارے مابین نبوت موجود رہے گی (آپ ﷺ کا اشارہ خود اپنی ذات کی جانب تھا) جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا‘ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔ اس کے بعد نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی اور یہ بھی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ قائم رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی (یعنی ظالم) ملوکیت آئے گی اور وہ بھی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا۔ پھر مجبوری کی ملوکیت (غالباً مراد ہیں مغربی استعمار کی غلامی) کا دور آئے گا اور وہ بھی رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے بھی اٹھا لے گا اور پھر دوبارہ نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی!‘‘ راوی

کے قول کے مطابق اس کے بعد آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمالی۔'' (مسند احمد)

لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم علیٰ منہاج النبوہ (نبوی طریقے پر) کی طرز پر اسلامی نظامِ خلافت کے قیام کی کوشش کریں اور ان تمام طریقوں کو چھوڑ دیں جو باطل سے مستعار لیے گئے ہوں۔ فرض کا طریقہ ہمیشہ سُنّت ہی سے ملتا ہے' چنانچہ حدیث میں ہے: ((عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ)) ''تم پر میری سُنّت (طریقہ) پر عمل کرنا واجب ہے۔'' مکمل حدیث یہ ہے:

''(صحابہ کرام ؓ بیان کرتے ہیں کہ) ہمیں نصیحت فرمائی اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی نصیحت جس کو سن کر (ہمارے) دل دہل گئے اور (ہماری) آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ نصیحت تو گویا رخصت ہونے والے کی وصیت لگتی ہے تو آپ ﷺ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی اور اپنے امیر کے احکام سننے اور قبول کرنے کی' خواہ وہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ تم میری سُنّت (طریقہ) کو اپنے اوپر لازم کرلو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سُنّت (طریقہ) کو۔ اور اس کو دانتوں سے مضبوط تھام لو اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو' کیونکہ ہر نئی جاری کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (ابوداوٗد' ترمذی)

ان تمام باتوں سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ نئے طریقے ڈھونڈنا جہاں آپ ﷺ پر الزام ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرض کا طریقہ واضح نہیں کیا' وہاں آپ ﷺ کا طریقہ ہوتے ہوئے اس کو ناقابلِ عمل سمجھتے ہوئے عمل نہ کرنا آپ ﷺ کی تکذیب ہے اور اسے بدعت وضلالت کہا گیا ہے' جس کا انجام دوزخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

لَا یَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا

''اس اُمّت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر اسی طریقے پر جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔''

اگر ہماری منزل اسلامی نظامِ خلافت ہے تو طریقہ محمدیؐ ہی سے اس منزل پر پہنچا جاسکتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

آج ہمیں نظامِ خلافت کے احیا کے لیے جمہوریت' انتخابات اور دیگر نئے نئے طریقوں کو چھوڑ کر منہجِ نبوی ﷺ کا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ بقول علامہ اقبال:

اپنی مِلّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

منہجِ نبویؐ پر چلنے والی حزب اللہ کی ''جماعت سازی'' کا واحد طریقہ

اگر آج ہم اسلامی نظام (نظامِ خلافت) قائم کرنا چاہتے ہیں تو اب ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ ہی صرف ایک منبع وسرچشمہ ہے۔ محمد ﷺ پر جو لوگ ایمان لے آئے' انہیں آپ ﷺ نے منظم کیا اور ان کی تربیت کی۔ لہٰذا محمد ﷺ کی سچی نبوت کی بنیاد پر جو جماعت بنی وہ دنیا کی مضبوط ترین جماعت ہے۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ ......﴾ (الفتح:۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں......''

اس جماعت میں کسی نے جمہوری طریقے پر رسول اللہ ﷺ کو اپنا صدر منتخب نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ نبی اور داعی ہونے کی حیثیت سے خودبخود امیر تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ وہ آمَنَّا وَصَدَّقْنَا ''ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی'' کے اصول پر عمل پیرا تھے اور اس کی رو سے آپ ﷺ کا ہر حکم ماننا واجب الاطاعت اور ایمان کا لازمی تقاضا تھا۔

اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے مختلف مواقع پر'' بیعت سمع و طاعت'' اور'' بیعت جہاد'' لے کر'' اسوہ'' (نمونہ) قائم کیا تاکہ مستقبل میں اسلامی جماعت سازی کا طریقہ معین ہو سکے۔ آئندہ اس فرض کی ادائیگی کے لیے اٹھنے والی جماعت انگریزوں سے' روسیوں سے' جرمنوں سے' کوئی طریقہ مستعار نہ لیتی پھرے بلکہ اس کے لیے آپ ﷺ کی سُنّت (طریقہ) موجود ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ کے بعد جو بھی جماعت اٹھے گی وہ جماعت حددرجہ منظم اور سمع وطاعت کے اصول پر عمل پیرا ہوگی' جس میں صرف ایک استثنا ہوگا کہ شریعت کے خلاف کوئی حکم دیا جائے گا تو نہیں مانیں گے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں ہے:

((اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ)) (صحیح البخاری)

''اطاعت صرف معروف میں لازم ہے۔''

باقی شریعت کے دائرے کے اندر جو بھی نظمِ جماعت کے تحت فیصلہ ہوگا وہ ہمیں قبول کرنا ہوگا اور اس پر عمل کرنا ہوگا۔ اس ''سمع وطاعت'' کا نام ہی ''بیعت'' ہے۔

بیعت: قرآن حکیم کی روشنی میں

جماعت سازی کے لیے بیعت منصوص بھی ہے چونکہ اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ﴾ (الفتح:۱۸)

''اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔''

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ۚ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۱۰﴾ (الفتح)

''(اے نبی ﷺ!) جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے۔ اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجرِ عظیم دے گا۔''

بیعت: سُنّتِ نبویؐ کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جو بیعت لی اس کے الفاظ احادیث میں نقل ہوئے ہیں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے جو بخاری اور مسلم دونوں میں آئی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ، فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ، وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا، وَعَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ، اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْہِ بُرْھَانٌ، وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا، لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ (متفق علیہ)

''ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے اس پر کہ آپ ﷺ کا ہر حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے، مشکل میں بھی اور آسانی میں بھی، چاہے طبیعت آمادہ ہو چاہے طبیعت پر جبر کرنا پڑے، چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے، اور جن کو بھی آپ ﷺ امیر بنائیں ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں، اور یہ کہ جہاں کہیں بھی ہوں گے

حق بات کہیں گے، اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کے خوف سے زبان پر تالا نہیں ڈالیں گے۔''

پانچ ہجری میں غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کرام ؓ آواز میں آواز ملا کر یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

''ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر رہتے دم تک جہاد کے لیے بیعت کی ہے۔''

بیعت: اسلاف کے عمل میں

یہ ماثور بھی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے بعد سے بیسویں صدی کے آغاز تک مسلمانوں کی ہر اجتماعی جدّوجُہد اسی بیعت کی بنیاد پر ہوئی ہے۔

خلافت کا نظام قائم تھا تو اسی بیعت کی بنیاد پر۔ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت منعقد ہوئی تھی۔ یزید کے خلاف اگر حضرت حسین ؓ کھڑے ہوئے تھے تو وہ بھی بیعت لے کر۔ عبداللہ بن زبیر ؓ بھی بیعت لے کے کھڑے ہوئے۔ حضرت نفس زکیہؒ اور امام زیدؒ بھی بیعت لے کر سامنے آئے۔ جب نو آبادیاتی نظام (Colonial Rules) آئے تو جس ملک میں بھی اس کے خلاف مزاحمت کی تحریک چلی اور جہاد کیا گیا تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر ہوا۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی، لیبیا میں سنوسی، الجزائر میں عبدالقادر الجزائری اور روس میں امام شاملؒ نے بیعت کی بنیاد پر لوگوں کو جہاد کے لیے منظم کیا۔ اس ضمن میں سب سے بڑی جہادی جِدّوجُہد ''تحریک شہیدین'' جو ہندوستان میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اٹھائی، وہ بھی بیعت کی بنیاد پر ہی تھی۔

منہجِ نبویؐ کے مراحل: اعلانیہ ہدف

آج جو بھی جماعت اس کام کے لیے کھڑی ہوگی اس کا اعلانیہ ہدف منکر اعظم (باطل نظام) کو ختم کرنا ہوگا اور اس کی اعلانیہ دعوت پورے کے پورے دین کی ہوگی۔ بالفاظِ دیگر، طاغوتی نظام یا غیر اللہ کی حاکمیت کا خاتمہ کرنا ہوگا جس کے نتیجے میں خلافت کا نظام تشکیل پاتا

ہے۔ موجودہ حالات میں کرنے کے اور بھی بہت سے اچھے اچھے کام ہیں جیسا کہ علمی، تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی سلسلے اور خدمتِ خلق۔ یہ سب کام مبارک ہیں‘ ان میں سے ہر ایک کام کرنا بہت اچھا ہے لیکن یہ سارے کام اس ایک کام میں بالقوۃ موجود ہیں‘ جیسا کہ آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ کے اندر جہاں دورِ جاہلیت میں منکرات جو ہر شعبہ زندگی اور ہر سطح پر بدرجہ اتم موجود تھے‘ صرف اس دور کے منکرِ اعظم (بت پرستی) جو کہ باطل نظام کی اصل جڑ اور بنیاد تھی‘ کو اپنا ہدفِ نکیر بناتے ہوئے ”لا الٰہ الا اللہ“ کا نعرہ لگایا۔ پھر اس کے خاتمے کے بعد وحی الٰہی کی روشنی میں توحید کی بنیاد پر ایک ریاست قائم کی جس کے تحت خلافت کا ایک عظیم الشان نظام معرضِ وجود میں آیا اور تمام منکرات کا خاتمہ ہوا۔

﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ﴾ (یوسف:۴۰)

”حاکمیت کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو نہیں۔“

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی‘ باقی بُتانِ آزری!

یہ نظریۂ توحید ہی ہے جو انسانی حاکمیت کے ہر تصور کی نفی کرتا ہے۔ انسانی حاکمیت نہ تو فردِ واحد کی بادشاہت کی شکل میں قابلِ قبول ہے نہ کسی قوم کی دوسری قوم پر حاکمیت کی شکل میں‘ جیسے انگریز ہم پر حکمران ہو گیا تھا‘ اور نہ ہی عوام کی حاکمیت جائز ہے۔ حاکمیت (Sovereignty) کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جبکہ انسان کے لیے خلافت ہے۔ حاکمیت کی دوسری تمام صورتیں شرک ہیں اور دورِ حاضر میں عوامی اقتدارِ اعلیٰ (Popular Sovereignty) کا تصور بدترین شرک ہے۔ شارع (قانون ساز) صرف اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کے نمائندے ہیں۔ اب بتایئے اس نعرۂ توحید سے بڑا کوئی انقلابی نعرہ کیا ہو گا کہ: لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) یعنی لا حاکم الا اللہ۔

منہجِ نبویؐ کا پہلا مرحلہ: دعوت

اس مرحلے میں جماعت کے ہر شخص کو نظام کے خلاف نظریۂ توحید کا پرچار کرنا ہو گا اور باطل کی طرف سے دیے جانے والے کسی بھی قسم کے طنز و تشدد کا خوف یا کسی بھی قسم کی دی جانے والی پیشکش کی لالچ میں آ کر نرمی یا معاونت (compromise) کا اظہار نہیں کرنا بلکہ صبر و

استقامت کا پہاڑ بنتے ہوئے اس نظریے پر علی الاعلان لوگوں کو بلانا ہو گا۔

﴿فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ وَ اسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

”(اے نبی ﷺ!) اسی کی دعوت دیجیے‘ اور ڈٹے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے‘ اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔“

﴿وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡہِنُ فَیُدۡہِنُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ لَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّہِیۡنٍ ﴿۱۰﴾﴾ (القلم)

”وہ (باطل پرست) تو چاہتے ہیں کہ ذرا آپؐ نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ ہرگز نہ دباؤ میں آئیے کسی ایسے شخص کے جو بہت زیادہ قسمیں کھانے والا‘ بے وقعت آدمی ہے۔“

اس نظریے کے خلاف باطل کی طرف سے کیے جانے والے کسی پروپیگنڈا یا طعن و تشنیع سے اعراض کرنا ہو گا تاکہ تحریک کو اپنا نظریہ عام کرنے کے لیے کچھ وقت مل سکے۔

﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِیۡنَ یَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۚ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾﴾ (الحجر)

”(اے نبی ﷺ!) اب آپ علی الاعلان سنایئے وہ کہ جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اور مشرکوں سے اعراض کیجیے۔ یقیناً ہم آپ کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کے خلاف کافی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور دوسرے معبود اختیار کر لیے ہیں‘ پس عنقریب وہ جان لیں گے۔ (اے نبی ﷺ!) ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان باتوں کی وجہ سے جو وہ کہہ رہے ہیں۔“

اسی طرح پوری جماعت کے ساتھیوں کو رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ کی بنیاد پر آپس میں منظم کرنا ہو گا اور دعوتِ حق کی راہ میں آنے والے مصائب اور مشکلات کے موقع پر صبر و مصابرت کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال رکھنے کا خوگر بنانا ہو گا۔

دعوت: سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں

جب اللہ کے رسول ﷺ نے نظریہ توحید پیش کیا تو پہلے پہل آپؐ کا مذاق اڑایا گیا‘ آپ ﷺ کی کردار کشی کی گئی‘ آپ ﷺ کو ساحر اور مجنون کہا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو کہا گیا کہ یہی دعوت دیتے رہیں۔

﴿مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲﴾﴾ (القلم)

"(اے نبی ﷺ!) آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔"

لہٰذا آپ ﷺ کوہ صفا پر گئے اور قریش کی ان زبانی ایذا رسانیوں کے جواب میں یہی دعوتِ توحید پیش کی۔ پھر جب قریش کے کہنے پر ابو طالب نے آپ ﷺ کے دعوت توحید دینے پر شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے یہی کہا کہ اگر یہ صرف ایک فقرہ کہہ دیں تو پورا عرب ان کا غلام ہو جائے اور وہ فقرہ ہے "لا الٰہ الا اللہ"۔ اس کے بعد دعوت توحید کے مقابلے میں جب قریش نے تشدد کا راستہ اختیار کیا تو ابو طالب نے انتہائی پریشانی کی حالت میں آپ ﷺ کو اس دعوت توحید سے باز رہنے کا کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "چچا! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند، اور کہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو یہ کام پورا ہو گا یا میری جان بھی اسی راہ میں کام آئے گی۔"

پھر جب تشدد سے کام نہ چلا تو قریشِ مکّہ نے آپ ﷺ کو لالچ کی پیشکش کی اور اس دعوتِ توحید سے باز رہنے پر اپنا بادشاہ اور سردار بنانے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے سورۃ السجدہ کی تلاوت کر کے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

اس کے بعد قریش مکہ نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ایک سال اللہ کی عبادت کرنے اور ایک سال اپنے بتوں کی عبادت کرنے کو کہا تو یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦﴾ (الکافرون)

"(اے نبی ﷺ!) کہیے کہ اے کافرو! میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو، اور تم عبادت کرنے والے نہیں ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم نے عبادت کی، اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔"

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہر موقع پر باطل پینترے بدلتا رہا۔ کبھی استہزا، کبھی تشدد، کبھی معاشی لالچ اور کبھی مصالحت کی کوشش۔ مگر اس کے جواب میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ استقامت کے ساتھ اپنے کام پر ڈٹے رہے۔ جب ایک مشرک سردار نے

حضرت بلال ؓ کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹتے ہوئے اپنے پرانے دین پر پلٹنے کو کہا تو اس وقت بھی حضرت بلالؓ کی زبان پر یہی الفاظ تھے: اَحَدٌ اَحَدٌ یعنی وہ اکیلا ہے، وہ اکیلا ہے۔ یہی اس دعوت کا تقاضا بھی ہے کہ جب تک اس کی بنیاد پر نظام قائم نہیں ہو جاتا اس وقت تک ڈنکے کی چوٹ پر اس کو بیان کیا جاتا رہے۔ یہی وہ کام ہے جو اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ برابر انجام دیتے رہے۔ بالآخر دارالندوہ میں باطل نے آپ ﷺ کے قتل کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ یہی وہ فیصلہ کن گھڑی تھی جب جماعت دعوت کے مرحلے سے نکل کر اقدام کی طرف جاتی ہے۔ لہٰذا جو بھی دعوت اس مرحلے تک پہنچ جائے اور وہ حق پر مبنی بھی ہو، اگرچہ معاشرے میں اکثریت نے اسے قبول نہ کیا ہو، اس کے باوجود وہ اس علاقے تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کی بازگشت دوسرے علاقوں تک پھیل جاتی ہے۔ اسی کشمکش کے دوران یا تو باطل، قیادت کے قتل کا فیصلہ کر کے فیصلہ کن مرحلہ کا آغاز کر دے گا جس سے مسلح تصادم (قتال) شروع ہو جائے گا یا اس کے برعکس کسی علاقے میں اس نظریہ کے لیے زمین ہموار ہو جائے اور وہاں کے لوگ ان کی حمایت اور نصرت کے لیے تیار ہو جائیں تو تحریک کے قائد اور کارکنوں کو اپنی جان کی حفاظت اور اس نظریے کو معاشرے میں بالفعل قائم کرنے کے لیے اس مقام کی طرف ہجرت کرنا ہو گی۔

لہٰذا جب اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کو دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ کی پکار کو اگرچہ اکثریت نے قبول نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کی جان کے درپے ہو گئے تو پھر وہ نظریہ مکہ تک محدود نہیں رہا بلکہ مدینہ کے انصار کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی نصرت کی۔ بالآخر آپ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی نظامِ حیات کی بنیاد رکھ دی۔

منہجِ نبویؐ کا دوسرا مرحلہ: جہاد

اگر پچھلے مرحلے میں گزری ہوئی دعوت کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہو گا تو دعوت کے دوران جو کشمکش ہوئی ہو گی وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے زمرے میں آئے گی، لیکن اب یہ جہاد اپنی بالاترین منزل، یعنی قتال فی سبیل اللہ تک چلا جائے گا۔ اس مرحلے میں بھی اگرچہ دعوت دین انفرادی طور پر جاری رہے گی البتہ اس سے بڑھ کر یہ اجتماعی طور پر مختلف قبائل اور جماعتوں سے وفد کی صورت میں ملاقاتیں کرنے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بھی ہو گی۔ مزید

برآں‘ جماعت کے ساتھیوں کی روحانی تربیت کے ساتھ اب جسمانی تربیت بھی کی جائے گی (عسکری ٹریننگ) اورانہیں باقاعدہ ایک نظم کی شکل میں پرو دیا جائے گا۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾ (آل عمران:۲۰۰)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو (ڈٹے رہو) اور صبر میں بڑھے رہو (کافروں کے مقابلے میں) اور (آپس میں) مضبوط رہو۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴﴾ (الصف)

’’بے شک اللہ کو تو اپنے وہ بندے پسند ہیں جو اُس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں بنا کر گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔‘‘

اس کے ساتھ انہیں طاقت کے حصول اور جہاد کے لیے ابھارا جائے گا:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (الانفال:۶۵)

’’اے نبی (ﷺ!) آپ جنگ کے حوالے سے مومنوں کو شوق دلاتے رہیں (ترغیب دلاتے رہیں)۔‘‘

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ﴾ (الانفال:۶۰)

’’(اے مسلمانو!) تم تیاری کرو ان سے لڑنے کے لیے اپنی استطاعت کی حد تک قوت کی فراہمی کے ذریعے سے اور پلے ہوئے گھوڑوں کی فراہمی کے ذریعے سے اور اس کے ذریعے سے ڈراتے رہو تم اللہ کے دشمن کو‘ اور اپنے دشمن کو اور کچھ اور بھی ہیں ان کو بھی ڈراتے رہو‘ جن کو تم نہیں جانتے‘ اللہ ان کو جانتا ہے۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۱۱۱﴾ (التوبة)

’’یقیناً اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے

بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے۔ اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔‘‘

لٰہذا جب باطل نظام پر ضرب پڑے گی اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کے محافظ اپنے نظام کا دفاع کرنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوں گے۔ جس سے بالفعل تصادم (قتال فی سبیل اللہ) شروع ہو جائے گا:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ۝۷۶﴾ (النساء)

’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے وہ تو جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں‘ تو (اے مسلمانو!) تم جنگ کرو ان شیطان کے دوستوں سے۔ یقیناً شیطان کی چال (ضعیف) کمزور ہے۔‘‘

یہ مرحلہ اس وقت تک چلے گا جب تک نظام کُل کا کُل اللہ کے لیے نہ ہو جائے:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال:۳۹)

’’اور (اے مسلمانو!) ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔‘‘

جہاد: سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کے قتل کا ’’دارُ الندوہ‘‘ میں فیصلہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف جہاں سے نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا‘ ہجرت فرمائی تو اسی دوران یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۝۳۹ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ﴾ (الحج:۳۹۔۴۰)

’’اجازت دے دی گئی (جنگ کی) ان لوگوں کو جن کے ساتھ لڑائی کی جاتی تھی اس لیے کہ ان کے اوپر ظلم کیا گیا تھا۔ اور یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ نکال دیے گئے اپنے گھروں سے ناحق محض یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔‘‘

لٰہذا آپ ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی یہود اور مختلف قبائل سے معاہدے کیے جس کے نتیجے میں کچھ تو حمایت کے لیے آمادہ ہو گئے اور کچھ نے غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے قریش کے خلاف چھاپہ مار کارروائیاں کر کے باطل نظام کی شہ رگ کو چھیڑا جس کی وجہ سے قتال فی سبیل اللہ کا آغاز ہوا اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔

﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (الانفال)

"اور جب کہ (اے مسلمانو!) اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لیے ہے' اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں ایک کانٹا تک بھی اُس کی راہ کے اندر نہ لگے' اللہ تعالیٰ تو چاہ رہا تھا کہ اپنے فیصلوں کے ذریعے سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور اللہ تعالیٰ کافروں کی جڑ کاٹ دے۔"

اسی دوران میں اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو تیر اندازی' نیزہ بازی' گھڑسواری اور تیراکی کی مشقیں کرنے کی ترغیب دی اور ان کو سمع وطاعت کے نظام کا پابند بنایا۔

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (الانفال)

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اور آپس میں جھگڑنا مت ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی' اور ڈٹے رہو۔ بے شک اللہ (کی نصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

یہ مرحلہ چلتا رہا تا آنکہ وہ وقت آ گیا:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ﴾ (الانبیاء:۱۸)

"بلکہ ہم حق کو اٹھا کر باطل پر دے مارتے ہیں' تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے اور پھر باطل جو مٹ جانے والا ہوتا ہے مٹ جاتا ہے۔"

پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝﴾ (بنی اسرائیل)

"اور (اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل ہے ہی مٹنے والا۔"

چنانچہ جزیرہ نمائے عرب میں اس نظریۂ توحید کی بنیاد پر اٹھنے والی دعوت اب جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ کے نظام کے قیام کی صورت میں پوری ہوئی۔

اگر کسی تحریک یا جماعت کی زندگی میں یہ کامیابی دیکھنے کو مل جائے تو پھر یہ دعوتِ توحید ایک جامع شکل میں اب دوسری قوموں کے سامنے بھی پیش کی جائے گی۔ جیسے خلافت راشدہ میں بالفعل یہ معاملہ ہوا۔ اس سلسلے میں ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے الفاظ قابلِ غور ہیں جو انہوں نے اس دور کی سپر پاور کسریٰ کے دربار میں کہے تھے:

إنَّ اللّٰه ابتعثنا لنخرج الناس من عبادة العباد الى عبادة اللّٰه وحده' ومن ضيق الدُّنيا الى سِعَتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام

(البداية والنهاية ۳۹/۷)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے تا کہ ہم نکالیں انسانوں کو بندوں کی عبادت سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور (باطل) ادیان کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل کی طرف۔"

اس کے بعد تین صورتیں ہیں جو ان قوموں کے سامنے رکھی جاتی ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو یہ ہے اسلامی نظام' اب یا تو:

(۱) اسلام قبول کر لو اور ہمارے بھائی بن جاؤ۔

(۲) اپنے مذہب پر قائم رہو تو جزیہ دو اور ذمی بن کر رہو۔

(۳) اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر اب تلوار فیصلہ کرے گی۔

چنانچہ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے اقدامی جہاد شروع ہوتا ہے جس کا آغاز اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روم کی طرف لشکر کشی کرتے ہوئے فرما دیا تھا۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

ان مراحل کے دوران میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ضروری نہیں کہ جو بھی دعوت اٹھے وہ یہ سب مراحل دیکھے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی تحریک کو اپنے ابتدائی مرحلے میں ہی کچل دیا جائے' یہ بھی عین ممکن ہے کہ آخری مرحلے میں آ کر اکثریت اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دے اور غلبہ حاصل نہ ہو سکے۔ البتہ اللہ کے رسول ﷺ کی جماعت کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی تھی' لٰہذا اسے تو ہر حال میں غالب ہونا تھا:

﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ ﴾ (المجادلۃ:۲۱)

’’اللہ نے لکھ دیا ہے کہ بے شک غالب مَیں آؤں گا اور میرے رسول۔‘‘

ان کے بعد اٹھنے والی کسی بھی تحریک کو کچلا تو جا سکتا ہے لیکن اگر وہ تحریک صحیح بنیادوں پر اٹھی ہوگی تو پھر کچھ عرصے بعد ہی ایک اور زندہ تحریک اللہ تعالیٰ ضرور اٹھاتا ہے جبکہ جو لوگ اس سے پہلے شہید ہو چکے ہوتے ہیں‘ اللہ کے ہاں ان کا اجر محفوظ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ضروری نہیں کہ یہ حالات ہر تحریک میں یکساں آئیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی تحریک یا جماعت کو شروع ہی میں کسی بھی علاقے سے اللہ کی نصرت مل جائے اور وہ غلبہ حاصل کر لے‘ جیسا کہ طالبان تحریک میں ہوا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تحریک ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہی ہو‘ اسی عرصہ میں کوئی اور دوسری تحریک قوت پکڑ جائے‘ پھر اس تحریک کا سارا وزن اس قوت پکڑنے والی تحریک کی جھولی میں ڈال دیا جائے اور مجتمع ہو کر باطل نظام کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ہم منہجِ نبویؐ پر چلنے کے پابند ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے:

﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱ ﴾ (یوسف)

’’اور اللہ تعالیٰ اپنے معاملے پر پوری طرح سے غالب ہے لیکن لوگوں کی اکثریت جانتی نہیں ہے۔‘‘

وہ جس طرح چاہے فیصلے کرے‘ اسے اختیار ہے۔ وہ ان تمام معروضی حالات سے بالکل بے نیاز ہے۔

آخری بات

اللہ تعالیٰ نے جہاں ہمیں یہ مکمل و اکمل دین اور ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے وہاں اس نظام کے نفاذ کا عملی نمونہ بھی پیش کر دیا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے کی طرح احیائے خلافت کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا اسوہ حسنہ ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ آج اور قیامت تک آنے والے ہر زمانے میں اس نظام کے نفاذ کے لیے نئے طریقوں یا مغرب کے دیے ہوئے جمہوری طریقوں کو چھوڑ کر منہجِ نبویؐ کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اسی طرح آج قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ پڑھانے والے علماء کرام اور ائمہ کرام پر منہجِ نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اپنی مساجد اور خانقاہوں سے نکل کر آگے بڑھنا لازم ہے۔

آج پوری دنیا میں مسلمان جس حالت میں ہیں وہ ہمارے سامنے ہے۔ ان کے مصائب‘ مسائل اور پریشانیوں سے ہم واقف ہیں۔ کس طرح اُمّتِ مُسلمہ نظریاتی‘ سیاسی‘ اقتصادی اور معاشرتی غلام ہے‘ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ آج ہم دنیا کے ہر خطے میں جس طرح عالمِ کفر کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں‘ تاریخ نے ایسا کبھی نہ دیکھا تھا۔ کیا ہم اب مزید ذلت‘ خواری‘ محکومی‘ بے وقعتی‘ بے بسی اور بے چارگی دیکھنا چاہتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں آج ہی سے اپنے سابقہ گناہوں‘ کوتاہیوں‘ غفلتوں اور برائیوں سے توبہ کر کے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم آئندہ یہ ذلت وخواری برداشت نہیں کریں گے اور اُمّتِ مُسلمہ کے دکھوں کے مداوے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

یہ عزمِ مصمم کرنا ہوگا کہ ہم اغیار کی مادر پدر آزاد‘ عریاں تہذیب و معاشرت اور فرسودہ نظامِ حیات کو اپنانے اور اس کی سیاسی‘ عسکری اور اقتصادی محکومی کو اپنائے رکھنے کے بجائے غلامی کے یہ طوق اپنی گردنوں سے اتار کر اسلامی تعلیمات اور تہذیب و معاشرت کو اپنائیں گے۔ اُمّتِ مُسلمہ کے دینی اور دُنیاوی واجتماعی مسائل کے واحد حل ’’نظامِ خلافت‘‘ کے احیاء کے لیے عملی جِدّوجہد کریں گے۔ اس کے لیے ہر قسم کے ایثار اور ہر محبوب چیز کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہیں گے۔

ہمیں اب بیدار ہونا ہوگا۔ اپنے اور لوگوں کے اندر ’’اقامتِ خلافت‘‘ کی فرضیت اور اس کے لیے عملی جِدّوجُہد کا شعور پیدا کرنا ہوگا۔ نظامِ خلافت کے احیا اور باطل نظاموں کے خلاف کام کرنا ہوگا۔ اگر آج ہم نے اس کے لیے اقدام نہ کیا تو نہ صرف اقامتِ خلافت کے فریضے کو ترک کرنے والے قرار پائیں گے بلکہ اس کے نتیجے میں اُمّتِ مُسلمہ پر جو مزید تباہی و بربادی اور دینی و دُنیاوی خسارہ آئے گا اس کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے نہ صرف کھڑا ہونا ہوگا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے تیار کرنا ہوگا تاکہ ایک منظم جماعت جامع منصوبہ بندی اور ٹھوس لائحہ عمل کے ساتھ اس جِدّوجُہد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کھڑے ہونے اور اس راہ میں اپنا مال اور جان قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

مسئلۂ خلافت کی فرضیت

مفتی عبدالرحمٰن ستی

مسئلہ خلافت کی فرضیت کو سمجھنے سے پہلے کچھ بنیادی مقدمات کو سمجھنا ازحد ضروری ہے۔ ہم ذیل میں تین مقدمات ذکر کرتے ہیں:

پہلا مقدّمہ: قطعیُ الثبوت اور قطعیُ الدلالت

شریعت کا وہ حکم جو قطعی (یقینی) طور پر ثابت ہو اور اس کا مفہوم‘ مراد اور اطلاق بھی قطعاً ثابت ہو‘ اسے اصطلاح میں قطعیُ الثبوت اور قطعیُ الدلالت کہتے ہیں۔ مثلاً آیاتِ محکمہ یا مفسّرہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہونے والا حکم قطعیُ الثبوت بھی ہے اور قطعیُ الدلالت بھی۔

ہمارے نزدیک مسئلہ خلافت‘ آیاتِ مفسرہ اور ایسی احادیث سے ثابت ہے جن کو تواترِ معنوی اور تواتر تعامل کا درجہ حاصل ہے جو قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ امام غزالیؒ (المتوفی: ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

”ولكنا نقيم البرهان القطعي الشرعي على وجوبه ولسنا نكتفي بما فيه من إجماع الأمة“ (۱)

”ہم دلیل قطعی شرعی قائم کرتے ہیں خلیفہ کے تقرر کی فرضیت پر‘ صرف اجماعِ اُمّت پر اکتفا نہیں کرتے۔“

دوسرا مقدّمہ: امام ابوحنیفہؒ اور ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ‘ امام شافعیؒ‘ امام احمد بن حنبلؒ) کے درمیان فرض اور واجب کی تقسیم میں فرق

احناف کے نزدیک فرض اس حکم شرعی کو کہتے ہیں شریعت نے جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ ایسی دلیل قطعی سے کیا ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو اور واجب اُس حکمِ شرعی کو کہتے

ہیں: شریعت نے جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ ایسی دلیل ظنی سے کیا ہو جس میں شبہ ہو۔

احناف کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق

احناف کے نزدیک فرض اور واجب میں درج ذیل حیثیتوں سے فرق ہے:

(۱) فرض دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور واجب دلیل ظنی سے۔

(۲) فرض کا انکاری کافر ہے جبکہ واجب کا انکاری کافر نہیں‘ فاسق ہے۔

(۳) فرض پر اعتقاد اور عمل دونوں لازم ہے جبکہ واجب پر اعتقاد لازم نہیں‘ عمل لازم ہے۔

(۴) فرض عمداً اور سہواً دونوں صورتوں میں ساقط نہیں ہوتا جبکہ واجب سہواً ساقط ہو جاتا ہے۔

مالکیہ‘ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فرض اور واجب کی کوئی علیحدہ تقسیم نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک جس عمل پر ثواب ہو اور چھوڑنے پر عذاب تو وہ واجب (فرض) ہے۔ یہ تعریف احناف کے فرض کو بھی شامل ہے اور واجب کو بھی کیونکہ احناف کے نزدیک بھی فرض اور واجب کے کرنے پر ثواب ہے اور چھوڑنے پر عذاب‘ لہٰذا احناف اور باقی مذاہب کے درمیان فرق صرف اصطلاح کا ہے کہ احناف نے دو علیحدہ اصطلاحات قائم کر لیں فرض اور واجب جبکہ مالکیہ‘ شافعیہ اور حنابلہ فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

ہمیں یہ مقدمہ قائم کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ہمارے ہاں فقہ حنفی پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ جس شخص کے سامنے ”واجب“ کی اصطلاح استعمال کی جائے تو فوراً اُس کے ذہن میں یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ یہ حکم شرعی (واجب) فرض کے مقابلے میں ادنیٰ ہے اور اگر کوئی صاحبِ علم ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے۔ چونکہ اس مضمون میں آپ کو مختلف مذاہب (حنفیہ‘ مالکیہ‘ شافعیہ‘ حنابلہ) کے ائمہ کے ایسے اقوال بار بار پڑھنے کو ملیں گے: ”نصب الامام واجب“ کہ خلیفہ کا تقرر واجب ہے۔ اب جو شخص فقہاء کے درمیان اصطلاح کے فرق سے واقف نہیں وہ اس کا مفہوم غلط اخذ کرے گا۔ لہٰذا جب واجب کی اصطلاح مالکی‘ شافعی‘ حنبلی عالم ذکر کرے تو وہ بمعنی فرض کے ہی ہوگی۔ فرق صرف اصطلاح کا ہے‘ حکم کے اعتبار سے چاروں مذاہب کے نزدیک اس کا تارک فاسق ہے اور عذاب کا مستحق ہے۔

احناف کی تعریف کے مطابق خلافت کا قیام فرض یا واجب؟

ہمارے نزدیک خلافت کا مسئلہ قطعیُ الثبوت بھی ہے اور قطعیُ الدلالت بھی‘ لہٰذا اس کا قیام

اُمت پر تین دن تک فرضِ کفایہ اور اس کے بعد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فقہاءِ احناف میں امام بزدوی الحنفیؒ (المتوفی: ۴۹۳ھ)، علامہ ابن عابدین شامیؒ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) نے فرضِ کفایہ لکھا ہے اور علامہ کاسانی الحنفیؒ (المتوفی: ۵۸۷ھ) نے مطلق فرض لکھا ہے۔ بحث فرضیت کے تحت ہم نے یہ حوالہ جات ذکر کیے ہیں۔

لیکن بالفرض اگر کوئی شخص بضد ہے اور وہ کہتا ہے کہ خلافت کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں، دلیلِ ظنی سے ثابت (واجب) ہے تو پھر میرا اُس سے سوال ہے کہ جنابِ احناف نے جو واجب کی تعریف کی ہے اس کے مطابق واجب پر عمل ضروری ہے اور اس کو چھوڑنے والا فاسق ہے۔ کہیں آپ نظامِ خلافت کی جِدّ وجُہد کو ترک کر کے فاسق تو نہیں ہیں؟ چلو واجب ہی سمجھ کر عمل کرو۔

تیسرا مقدّمہ: خلافت کا مسئلہ اصولی یا فروعی

شریعت کے احکام کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم اُن احکام کی ہے جن کا تعلق صرف ماننے اور اعتقاد رکھنے سے ہے، ایسے احکام کو احکامِ اعتقادیہ، احکامِ اصولیہ اور احکامِ کلامیہ کہتے ہیں، اِن کو علمِ عقائد کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم اُن احکام کی ہے جن کا تعلق عمل سے ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ، اِن احکام کو احکامِ عملیہ، احکامِ فرعیہ اور احکامِ فقہیہ کہتے ہیں، اِن کو فقہ کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

جہاں تک مسئلہ خلافت کا تعلق ہے تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اعتقادیہ، اصولیہ نہیں بلکہ عملیہ، فرعیہ، فقہیہ ہے۔ یہ مسئلہ اصول کا نہیں فروع کا ہے، علمِ عقائد کا نہیں علمِ فقہ کا ہے کیونکہ اس کا تعلق عمل سے ہے۔ درج ذیل ائمہ متکلمین نے خود اس بات کی صراحت کی ہے: امام غزالیؒ (المتوفی: ۵۰۵ھ)[2] علامہ سیف الدین آمدیؒ (المتوفی: ۶۲۳ھ)[3] امام ابوالحسن سید الدین الثعلبی الآمدیؒ (المتوفی: ۶۳۱ھ)[4] علامہ تفتازانیؒ (المتوفی: ۷۹۳ھ)[5] کمال الدین ابن ابی شریف شافعیؒ (المتوفی: ۹۰۶ھ)[6] نے۔

مولانا عبدالعزیز فرہاروی لکھتے ہیں:

''والتحقیق ان بحث الامامة من الفروع''[7]

''تحقیقی بات یہ ہے کہ مسئلہ خلافت فروعی ہے۔''

علامہ ابن عابدین شامیؒ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''وَلَمَّا كَانَتِ الثَّانِيَةُ مِنَ المَبَاحِثِ الْفِقْهِيَّةِ حَقِيقَةً لِأَنَّ الْقِيَامَ بِهَا مِنْ فُرُوضِ الْكِفَايَةِ وَكَانَتِ الْأُولَى تَابِعَةً لَهَا وَمَبْنِيَّةً عَلَيْهَا تَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ مَبَاحِثِهَا هُنَا، وَبُسِطَتْ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْهُ بَلْ مِنْ مُتَمِّمَاتِهِ لِظُهُورِ اعْتِقَادَاتٍ فَاسِدَةٍ فِيهَا مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ كَالطَّعْنِ فِي الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَنَحْوِ ذَلِكَ''[8]

''امامتِ کُبریٰ حقیقت میں مباحثِ فقہیہ میں سے ہے کیونکہ اس کا قیام فروضِ کفایہ میں سے ہے اور امامتِ صُغریٰ اس کے تابع ہے تو یہاں اس کی مباحث میں سے کچھ کا ذکر کیا اور علم الکلام میں اس کی تفصیل ہے۔ اگرچہ یہ امامتِ کُبریٰ علمِ کلام میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کے متممات میں سے ہے کیونکہ اس میں اہلِ بدعت کی طرف سے اعتقاداتِ فاسدہ کا ظہور ہوا جیسے خلفائے راشدین پر طعن۔''

کیا مسئلہ خلافت عقیدے کے معیار پر پورا اُترتا ہے؟

اب یہ مسئلہ فروع کا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی اہمیت کم ہے بلکہ دلائل کی قوت کے اعتبار سے قرآن وسُنّت (سُنّتِ قولیہ وفعلیہ)، اجماعِ اُمّت اور مسلمانوں کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔

علامہ جلال الدین عمر بن محمد الخبازی الحنفیؒ (المتوفی: ۶۹۱ھ) لکھتے ہیں:

''الامامة والخلافة بعد رسول الله ﷺ حق بدليل: الكتاب، والسنة، والاجماع، والمعقول''[9]

''رسول اللہ ﷺ کے بعد امامت اور خلافت کتاب وسُنّت، اجماع اور دلیل عقلی سے ثابت ہے۔''

عقائد کے معاملے میں جس درجے کے قطعی دلائل مطلوب ہوتے ہیں، مسئلہ خلافت اُس معیار پر پورا اُترتا ہے۔ ویسے بھی یہ مسئلہ اپنی اہمیت اور حساسیت کے اعتبار سے اس لائق تھا کہ اسے کتبِ عقائد میں درج کیا جاتا کیونکہ شریعت کے بہت سارے فرائض ہیں جو خلیفہ کی تقرری اور نظامِ خلافت پر موقوف ہیں۔ اسی وجہ سے اہلِ علم نے اسے اُمّ الفرائض قرار دیا ہے اور اس کے منکر کو کافر لکھا ہے۔

قرآنی دلائل

نظامِ حکومت کے حوالے سے قرآن مجید کی آیات دوطرح کی ہیں‘ کچھ وہ ہیں جو صاف صریح الفاظ میں بلاواسطہ نظامِ حکومت کی حیثیت کو واضح اور اس کا درجہ متعین کرتی ہیں۔ جن میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ نماز‘ روزہ کی طرح یہ بھی دین اسلام کے ارکان میں سے ایک بنیادی رکن ہے جس کو قائم کرنا فرض ہے۔ دوسری کثیر التعداد ایسی آیات ہیں جو بالواسطہ اس مضمون کو بیان کرتی ہیں۔ ذیل میں ہم اوّلاً بلاواسطہ آیات پیش کرتے ہیں:

آیاتِ بلاواسطہ

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ؕ﴾ (البقرۃ:۳۰)

’’اور یاد کرو جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔‘‘

عبداللہ بن مسعود ؓ اور امام مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’أنه خليفة عن الله تعالى في إقامة شرعه، ودلائل توحيده، والحكم في خلقه‘‘(۱۰)

’’انسان اللہ کی شریعت قائم کرنے‘ توحید کے دلائل قائم کرنے اور مخلوق میں حکومت کرنے میں اللہ کا خلیفہ ہے۔‘‘

امام طبریؒ (المتوفیٰ:۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

’’اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً مِنِّي يَخْلُفُنِي فِي الحكم بالعدل بَيْنَ خَلْقِي وَاِنَّ ذٰلِكَ الْخَلِيفَةَ هُوَ آدَمُ وَمَنْ قَامَ مَقَامَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ وَالْحُكْمِ بِالْعَدْلِ بَيْنَ خَلْقِهِ‘‘(۱۱)

’’بے شک میں اپنی طرف سے زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں‘ جو میری مخلوق کے درمیان میرے حکم کی نیابت کرے گا اور وہ جو اللہ کی اطاعت میں آدم علیہ السلام کے قائم مقام ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں عدل سے فیصلہ کرتے ہوں۔‘‘

امام ابن کثیرؒ (المتوفیٰ:۷۷۴ھ) نے ابن جریر طبریؒ کی مذکورہ رائے کو اپنی تفسیر ’’تفسیر

القرآن العظیم‘‘ میں نقل کیا ہے۔

امام بغویؒ (المتوفیٰ:۵۱۰ھ) لکھتے ہیں:

’’وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ خَلِيفَةُ اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ لِإِقَامَةِ أَحْكَامِهِ وَتَنْفِيذِ وَصَايَاهُ‘‘(۱۲)

’’صحیح بات یہ ہے کہ آدم اللہ کا خلیفہ ہے زمین میں اس کے احکام قائم کرنے اور اس کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے۔‘‘

امام خازنؒ (المتوفیٰ:۷۴۱ھ) نے اپنی تفسیر ’’لباب التأويل في معاني التنزيل‘‘ میں بغویؒ کی مذکورہ عبارت کو نقل کیا ہے۔

امام قرطبیؒ (المتوفیٰ:۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

’’هٰذِهِ الْآيَةُ أَصْلٌ فِي نَصْبِ اِمَامٍ وَخَلِيفَةٍ يُسْمَعُ لَهُ وَيُطَاعُ، لِتَجْتَمِعَ بِهِ الْكَلِمَةُ، وَتَنْفُذُ بِهِ أَحْكَامُ الْخَلِيفَةِ‘‘(۱۳)

’’یہ آیت امام اور خلیفہ کے تقرر کے بارے میں قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسا امام کہ جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تاکہ کلمہ اسلام اس سے مجتمع رہے اور خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔‘‘

مزید یہ کہ امام قرطبی نصبِ خلیفہ کو دین کے ارکان میں سے ایک رکن قرار دیتے ہیں:

’’وَأَنَّهَا رُكْنٌ مِنْ أَرْكَانِ الدِّينِ الَّذِي بِهِ قِوَامُ الْمُسْلِمِينَ‘‘(۱۴)

’’اور نصبِ خلیفہ دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جس پر مسلمانوں کی بقا موقوف ہے۔‘‘

قاضی بیضاویؒ (المتوفیٰ:۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

’’ومعنى كونه خَلِيفَةً أنه خليفة الله تعالى في أرضه، وكذا كل نبي استخلفهم في عمارة الأرض وسياسة الناس وتكميل نفوسهم وتنفيذ أمره فيهم‘‘(۱۵)

’’اس کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے اور اسی طرح اللہ نے ہر نبی کو خلیفہ بنایا زمین کی آبادی میں‘ لوگوں کے سیاسی امور کی انجام دہی‘ ان کے نفوس کی تکمیل اور ان کے اندر اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لیے۔‘‘

بیضاویؒ کی مذکورہ عبارت کو امام شمس الدین الشافعیؒ (المتوفیٰ ۹۷۷ھ) نے اپنی تفسیر ’’السراج

المنير في الإعانة على معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير'' (۱/۴۵) اور علامہ آلوسیؒ (المتوفی: ۱۲۷۰ھ) نے ''روح المعانی'' (۱/۲۲۲) میں نقل کیا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''تحقیق مَیں زمین میں اپنا خلیفہ اور نائب بنانے والا ہوں جو میرا نائب ہو کر زمین پر حکومت کرے گا اور زمین والوں پر میرا حکم جاری اور نافذ کرے گا۔''[16]

دوسری آیت: آیتِ اطاعتِ اولی الامر

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۚ﴾ (النساء:۵۹)

''اے ایمان والو تم اللہ اور رسول (ﷺ) اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔''

امام طبریؒ (المتوفی: ۳۱۰ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں اولی الامر سے متعلق مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فیصلہ کن بات لکھی ہے:

''وأولى الأقوال في ذلك بالصواب، قول من قال: هم الأمراء والولاة لصحة الأخبار عن رسول الله ﷺ بالأمر بطاعة الأئمة والولاة فيما كان لله طاعة، وللمسلمين مصلحة''

''یہاں اس جگہ حق کے قریب اُن کا قول ہے جو فرماتے ہیں: اولی الامر سے مراد امراء اور حکام ہیں اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ سے احادیث میں حکام کی اطاعت کے ساتھ یہ امر ثابت ہے کہ حکام کی اطاعت دو شرائط سے مشروط ہے: پہلی یہ کہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسری یہ کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو۔''

شیخ جمال الدین احمد بن محمد الغزنوی الحنفیؒ (المتوفی: ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

''طاعة الائمة واجبة، وهي فرض عين من فروض الشرع''[17]

''خلفاء کی اطاعت واجب ہے اور وہ فرضِ عین ہے شریعت کے باقی فرائض کی طرح۔''

علامہ کمال الدین بابرتی الحنفیؒ (المتوفی: ۷۸۶ھ)، علامہ علاؤ الدین بخاری الحنفیؒ (المتوفی: ۸۴۱ھ) نے بھی خلیفہ کی اطاعت کو فرض لکھا ہے یہ تب ہی ممکن ہے جب خلیفہ کا وجود ہو۔

علامہ سیف الدین آمدیؒ (المتوفی: ۶۲۳ھ) لکھتے ہیں:

''مَذْهَب أهل الحق من الإسلاميين أن إقامة الإمام واتباعه فرض على المسلمين شرعًا لا عقلًا''[18]

''اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ خلیفہ کا تقرر اور خلیفہ کی اتباع شرعاً مسلمانوں پر فرض ہے نہ کہ عقلاً۔''

طرزِ استدلال: خلیفہ کی اطاعت کا تصوّر اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک خلیفہ کا خود وجود نہ ہو، لہٰذا خلیفہ کی تقرری اور اسے وجود میں لانا یہ اقتضاء النص سے ثابت ہے، اب اس کی فرضیت میں کلام کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

آیات ''حکم بما انزل اللہ''

قرآن مجید کی آیات ''حکم بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ'' کا مقصد بھی نظامِ خلافت کا قیام ہے کیونکہ شرعی احکام کی تطبیق اور شریعت کے موافق حکومت کرنا یہ نظامِ خلافت کے توسط سے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے توسّط سے اُمت کو قطعی حکم دیا ہے:

﴿فَاحۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ (المائدۃ:۴۸)

''آپ فیصلہ کریں ان لوگوں کے درمیان اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا۔''

﴿وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ (المائدۃ:۴۹)

''اور فیصلے کیجیے ان کے مابین اس (شریعت) کے مطابق جو کہ اللہ نے اتاری ہے۔''

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ (المائدۃ)

''جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔''

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۵﴾﴾ (المائدۃ)

''جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں۔''

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ (المائدۃ)

''جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو فاسق ہیں۔''

ان مذکورہ بالا آیات میں حکم بما انزل اللہ کے ساتھ ساتھ کس قدر سخت تہدید، تنبیہ اور دھمکی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی آسمانی شریعت پر ایمان کے دعویدار ہوں اور پھر اس کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہوں۔ قانونِ شریعت کی تنفیذ اور اس کی اہمیت کے لحاظ سے قرآن حکیم کا یہ مقام بقول ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ذروۂ سنام ہے[19] جو نفاذِ شریعت کی

فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

آیات بالواسطہ

قرآن کی وہ تمام آیاتِ جہاد جو فرضیتِ جہاد کو بیان کرتی ہیں وہ درحقیقت حکومت کے قیام کو بھی فرض قرار دیتی ہیں کیونکہ جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ نظامِ خلافت کے بغیر ممکن نہیں' لہٰذا جہاد کا مقصد بھی حکومتِ اسلامیہ کا قیام ہے۔

اسی طرح متکلمین نے آیاتِ حدود سے خلیفہ کے تقرر کی فرضیت پر استدلال کیا ہے کیونکہ اُمّت کا اجماع ہے کہ حدود کو نافذ کرنا رعایا کا کام نہیں بلکہ خلیفہ کی ذمہ داری ہے اور حدود کو قائم کرنا فرض ہے اور اس فرضیت پر عمل تب ہی ممکن ہے جب خلیفہ کا وجود ہو۔ لہٰذا خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔

امام رازیؒ (المتوفی: ۶۰۶ھ) آیت: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۳۸﴾ (المائدۃ) کے تحت لکھتے ہیں:

''احْتَجَّ الْمُتَكَلِّمُونَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فِي أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْأُمَّةِ أَنْ يُنَصِّبُوا لِأَنْفُسِهِمْ إِمَامًا مُعَيَّنًا وَالدَّلِيلُ عَلَيْهِ أَنَّهُ تَعَالَى أَوْجَبَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ إِقَامَةَ الْحَدِّ عَلَى السُّرَّاقِ وَالزُّنَاةِ، فَلَا بُدَّ مِنْ شَخْصٍ يَكُونُ مُخَاطَبًا بِهٰذَا الْخِطَابِ، وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ لِآحَادِ الرَّعِيَّةِ إِقَامَةُ الْحُدُودِ عَلَى الْجُنَاةِ، بَلْ أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّهُ لَا يَجُوزُ إِقَامَةُ الْحُدُودِ عَلَى الْأَحْرَارِ الْجُنَاةِ إِلَّا لِلْإِمَامِ، فَلَمَّا كَانَ هٰذَا التَّكْلِيفُ تَكْلِيفًا جَازِمًا وَلَا يُمْكِنُ الْخُرُوجُ عَنْ عُهْدَةِ هٰذَا التَّكْلِيفِ إِلَّا عِنْدَ وُجُودِ الْإِمَامِ، وَمَا لَا يَتَأَتَّى الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ، وَكَانَ مَقْدُورًا لِلْمُكَلَّفِ، فَهُوَ وَاجِبٌ، فَلَزِمَ الْقَطْعُ بِوُجُوبِ نَصْبِ الْإِمَامِ حِينَئِذٍ''(۲۰)

دوسرے مقام پر آیت: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲﴾ (النور) کے تحت لکھتے ہیں:

''أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّ الْمُخَاطَبَ بِذٰلِكَ هُوَ الْإِمَامُ، ثُمَّ احْتَجُّوا

بِهٰذَا عَلَى وُجُوبِ نَصْبِ الْإِمَامِ، قَالُوا لِأَنَّهُ سُبْحَانَهُ أَمَرَ بِإِقَامَةِ الْحَدِّ، وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّهُ لَا يَتَوَلَّى إِقَامَتَهُ إِلَّا الْإِمَامُ وَمَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ الْمُطْلَقُ إِلَّا بِهِ، وَكَانَ مَقْدُورًا لِلْمُكَلَّفِ فَهُوَ وَاجِبٌ فَكَانَ نَصْبُ الْإِمَامِ وَاجِبًا''(۲۱)

''اس آیتِ حد پر اُمّت کا اجماع ہے کہ اس کا مخاطب خلیفہ ہے اور اسی آیت حد سے اُمّت نے استدلال کیا کہ خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے اس میں اقامت حد کا حکم دیا ہے۔ اس پر اجماع ہے کہ حدود کو نافذ کرنا صرف خلیفہ کی ذمہ داری ہے اور یہ فرض خلیفہ کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا اس لیے خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔''

اسی طرح وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے حکومت کو مقامِ احسان میں ذکر کیا ہے اور اسے نعمتوں میں شمار کیا ہے اور احسان بھی عام لوگوں پر نہیں بلکہ انبیاء و مرسلین آلِ ابراہیم' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر۔

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝۵۴﴾ (النساء)

''یا وہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس چیز پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا کی' پس تحقیق ہم نے عطا فرمائی خاندانِ ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ہم نے انہیں عطا کی بڑی سلطنت۔''

سُنّتِ قولیہ

رسول اکرم ﷺ کی وہ تمام احادیث جن میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جس نے خلیفہ کی بیعت نہیں کی وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اسی طرح وہ احادیث جن میں یہ حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کی طرف سے جو پہلا خلیفہ مقرر کیا گیا ہو اس سے بیعت میں وفاداری کی جائے۔ اسی طرح وہ احادیث جن میں عادل حکام سے بغاوت کی ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح وہ احادیث جو حاکم کے جائز حکم کی اطاعت کو واجب قرار دیتی ہیں۔ اس طرح وہ احادیث جن میں یہ تاکید آئی ہے کہ اس شخص کا سر قلم کر دیا جائے جو خلیفہ کے انتخاب کے بعد اس سے اختلاف کرے اور اس کی خلافت کو نقصان پہنچائے۔ ان تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ

خلیفہ کا انتخاب کریں۔

خلافت کی احادیث کو تواتر معنوی بلکہ تواتر تعامل کا درجہ حاصل ہے۔ اگرچہ یہ احادیث الگ الگ خبر واحد کے درجے کی ہیں لیکن مجموعی طور پر جو ایک یقینی بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔ اس کو تواتر معنوی یا تواتر قدر مشترک کہتے ہیں' جو علم قطعی (یقینی) کا فائدہ دیتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان احادیث کو تواتر تعامل کا درجہ حاصل ہے۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء تک اُمّت کا ۱۳ سو سال اس پر عمل رہا کہ خلیفہ کی تدفین سے پہلے خلیفہ کا تقرر ہوتا تھا۔

تیرہویں صدی کے نامور حنفی عالم علامہ ابن عابدین شامیؒ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''وَهَذِهِ السُّنَّةُ بَاقِيَةٌ إِلَى الْآنَ لَمْ يُدْفَنْ خَلِيفَةٌ حَتَّى يُوَلَّى غَيْرُهُ'' [۲۲]

''اور یہ طریقہ ابھی تک باقی ہے کہ خلیفہ کی تدفین سے پہلے دوسرا خلیفہ مقرر کیا جائے گا۔''

مسئلہ خلافت کو تواترِ تعامل حاصل ہے

علامہ سیف الدین آمدیؒ (المتوفی: ۶۲۳ھ) لکھتے ہیں:

''قَالَ أهل الْحق الدَّلِيل الْقَاطِع على وجوب قيام الإمام واتباعه شرعًا مَا ثَبت بالتواتر من اِجْمَاع الْمُسلمين فى الصَّدْر الأول بعد وَفَاة رَسُول الله ﷺ على امْتنَاع خلو الْوَقْت عَن خَلِيفَة وَإِمَام حَتَّى قَالَ أَبُو بكر فى خطبته الْمَشْهُورَة بعد رَسُول الله ﷺ أَلا اِن مُحَمَّدًا قد مَاتَ وَلَا بُد لهَذَا الدّين مِمَّن يقوم بِهِ'' [۲۳]

''اہل حق فرماتے ہیں: خلیفہ کے تقرر کی فرضیت اور اس کی اتباع پر دلیل قطعی شرعی قائم ہے جو مسلمانوں کے اجماعی تواتر سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد امام اور خلیفہ کے بغیر رہنا ممتنع ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا کہ: خبردار رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور اِس دین کے لیے ایک ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو اس دین کو قائم کرے۔''

علامہ عضد الدین الایجیؒ (المتوفی: ۷۵۶ھ)'[۲۴] علامہ کمال الدین ابن ابی الشریفؒ (المتوفی: ۹۰۵ھ)[۲۵] نے بھی اجماعی تواتر کو نقل کیا ہے۔

تواتر کی اقسام اور ان کا حکم

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''والتواتر عندي أيضاً على أربعة أقسام: أحدها: تواتر الإسناد، وهذا التواتر تواتر المحدثين، والثاني: تواتر الطبقة، وهذا تواتر الفقهاء، تواتر التعامل —— وهذا التواتر قريب من التواتر الثاني، ومثال هذا التواتر العمل برفع اليدين عند الركوع وتركه فإنه عمل به غير واحد في القرون الثلاثة —— والرابع: تواتر القدر المشترك —— وحكم الثلاثة الأول تكفير جاحده وأماالرابع: فإن كان ضروريًا فكذلك، وإن كان نظريًا فلا'' [۲۶]

''اور میرے نزدیک تواتر کی بھی چار قسمیں ہیں (۱) تواتر اسناد' اسے تواتر محدثین بھی کہتے ہیں (۲) تواتر طبقہ' اسے تواتر فقہاء کہتے ہیں (۳) تواتر تعامل —— یہ دوسری قسم کے قریب ہے۔ اس کی مثال رکوع کے وقت رفع یدین تواتر عمل سے ثابت ہے اور (۴) تواتر قدر مشترک —— پہلے تین تواتر ایسے ہیں کہ ان کا منکر کافر ٹھہرتا ہے' جبکہ چوتھے تواتر کا موضوع اگر ضروریات کے درجے میں ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے اور اگر نظری درجے کا ہے تو اس کے منکر کو کافر نہ کہا جائے گا۔''

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے پہلے تین تواتر (تواتر اسناد' تواتر طبقہ' تواتر تعامل) کے منکر کو کافر لکھا ہے اور چوتھے تواتر (تواتر معنوی) کے متعلق فرمایا: اگر یہ ضروریات کے درجے میں ہے تو کافر ہے۔

مسئلہ خلافت کو تواتر تعامل کے ساتھ تواتر معنوی بھی حاصل ہے اور یہ مسئلہ ضروریات شرع میں سے ہے' لہٰذا اس کا منکر کافر ہے۔

مسئلہ خلافت ضروریاتِ دین میں سے ہے!

امام غزالیؒ (المتوفی: ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

''فكان وجوب نصب الإمام من ضروريات الشرع الذي لا سبيل إلى تركه'' [۲۷]

''خلیفہ کی تقرری ضروریاتِ شرع میں سے ہے جس کے چھوڑنے کے لیے نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔''

ضروریاتِ دین سے وہ تمام دینی امور مراد ہوتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے قطعی طور پر تواتر کے ساتھ ثابت ہوں اور جن کا دینِ محمدی ہونا ہر خاص و عام کو بداہۃً معلوم ہو مثلاً: توحید‘ رسالت‘ قیامت‘ ملائکہ‘ جنت‘ دوزخ اور آسمانی کتابوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ کی فرضیت اور زنا‘ قتل‘ چوری‘ شراب خوری وغیرہ کی حرمت و ممانعت‘ نبی کریم ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا‘ حشر و نشر‘ جزاء و سزا وغیرہ۔

مسئلہ خلافت نبی اکرم ﷺ سے قطعی طور پر تواتر سے ثابت ہے لہٰذا اس کے ضروریاتِ دین میں سے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اصول: خبرِ واحد کو تلقی اُمّت بالقبول حاصل ہو جائے تو وہ حدیث متواتر اور مشہور درجے کی ہے جو علمِ قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

مسئلہ خلافت کی احادیث اگرچہ اخبارِ آحاد ہیں تاہم محدثین‘ فقہاء کا اصول ہے کہ خبرِ واحد کو اگر ''تلقی اُمّت بالقبول'' حاصل ہو جائے تو وہ حدیث متواتر اور مشہور درجے کی ہے جو قطعیت کا فائدہ دیتی ہے۔

ابن ابی العز الحنفیؒ (المتوفی: ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

''وخبر الواحد إذا تلقته الأمة بالقبول عملا به وتصديقا له: يفيد العلم [اليقيني] عند جماهير الأمة وهو أحد قسمي المتواتر ولم يكن بين سلف الأمة في ذلك نزاع'' (۲۸)

''اور خبرِ واحد کو جب اُمّت قبول کر لے اس کی تصدیق اور اس پر عمل کرتے ہوئے تو جمہور علماء اُمّت کے نزدیک علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور یہ بھی متواتر کی ایک قسم ہے۔ اسلافِ اُمّت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔''

علامہ بدرالدین الزرکشی الشافعیؒ (المتوفی: ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:

''أن الحَدِيث الضَّعِيف إِذا تَلَقَّتْهُ الْأمة بِالْقبُولِ عمل بِهِ على الصَّحِيح حَتَّى إِنَّه ينزل منزلَة الْمُتَوَاتر'' (۲۹)

''اسی طرح جب اُمّت ضعیف حدیث کو قبول فرما لے تو اس پر اس طرح عمل کیا جائے گا جس طرح حدیث صحیح پر عمل کیا جاتا ہے حتیٰ کہ متواتر کے درجے میں ہو جائے گی۔''

قولی احادیث

اب ذیل میں حضور ﷺ کی چند قولی احادیث ذکر کی جاتی ہیں جو مسئلہ خلافت کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں اور ان احادیث میں قیامِ خلافت کی طلب‘ طلب جازم ہے۔

اصول یہ ہے کہ شریعت کا کوئی مسئلہ جو قطعی الثبوت‘ قطعی الدلالہ نہ ہو بلکہ قطعی الثبوت‘ ظنی الدلالہ ہو اور اس کی طلب‘ طلب جازم ہو تو وہ فرض ہوتا ہے لیکن مسئلہ خلافت قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالہ بھی لہٰذا اس کی فرضیت میں کوئی شُبہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) (۳۰)

''جو شخص خلیفہ کی اطاعت سے ایک بالشت بھی الگ ہو گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) (۳۱)

''جو شخص امام کی اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے جدا ہو گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) (۳۲)

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (کسی خلیفہ کی) بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ بِغَيْرِ اِمَامٍ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) (۳۳)

''جو شخص بغیر خلیفہ کے مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں‘ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ اِمَامٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) (۳۴)

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس پر کوئی امام (خلیفہ کی حکومت) نہیں تو وہ جاہلیت کی

موت مرا۔''

آپ ذرا غور کریں کہ ان مذکورہ بالا احادیث میں رسول اکرم ﷺ نے جاہلیت کی موت سے تشبیہہ دی ہے اور ایسے الفاظ مذمت کسی فعل حرام کے ارتکاب پر ہوتے ہیں یا کسی فرض کے چھوڑنے پر۔ یہاں دو فرض چھوٹ رہے ہیں: خلیفہ کا نہ ہونا اور بیعت کا نہ ہونا جو دونوں کبیرہ گناہ ہیں۔

خلافت کا قیام ضروری ہے' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لاَ بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اِمَارَةٍ))[۳۵]

''لوگوں کے لیے خلافت ضروری ہے۔''

خلیفہ ڈھال ہے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ، يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ، وَيُتَّقَى بِهِ))[۳۶]

''خلیفہ ایک ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے جس کی قیادت میں اور اس کے حکم سے جہاد ہوتا ہے اور اس کی وساطت سے دشمن سے بچا جا سکتا ہے۔''

ڈھال جس کے ذریعے مجاہد دشمن سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی طرح خلیفہ داخلی اور خارجی دشمنوں سے مسلمانوں کی جان' مال' عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی ان قولی احادیث میں اس بات کی بڑی تاکید ہے کہ مسلمان ضرور خلیفہ مقرر کریں اور اسلامی حکومت قائم کریں۔ آپ ﷺ نے خود اس پر عمل کرتے ہوئے اسلامی ریاست قائم کی جو آپ کی سُنّتِ فعلیہ ہے۔

سُنّتِ فعلیہ

حضور اکرم ﷺ کی سیاسی سُنّت اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ آپ ﷺ کے سیاسی کاموں میں سے عقبہ اولیٰ اور عقبہ اخری کی بیعت اور مدینہ منورہ آمد کے بعد ایک سیاسی معاہدہ جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں' یہ معاہدہ وہ پہلی دستاویز ہے جو اسلامی ریاست کے اندر رعیت کے حقوق اور واجبات کی نشاندہی کرتی ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے بنفسِ نفیس مدینہ منورہ میں نبوت و رسالت کی صفت کے ساتھ ساتھ امام اور

ریاست کی ذمہ داری کے عظیم منصب کو بھی اپنایا' آپ اسی منصب اور ذمہ داری کی اساس پر والیوں اور قاضیوں کا تقرر کرتے' معاہدے کرتے' قاصدین کو بھیجتے اور بادشاہوں کے پاس وفود روانہ کرتے۔ یہ تمام کام صرف حاکم کے مناسب اور موزوں ہیں۔

خلافت کی فرضیت پر اجماع ہے

اصولیین نے اجماع کی مختلف اقسام بیان کی ہیں اُن میں سے ایک اِجماعِ صریح اور دوسری اِجماعِ متواتر ہے۔

اجماعِ صریح کہتے ہیں: بالاتفاق سب کا کسی قول یا فعل کو اختیار کرنا' جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع۔

اِجماعِ متواتر کہتے ہیں: وہ اِجماع جو عہدِ صحابہ سے کسی اختلاف کے بغیر تواتر کے ساتھ منقول چلا آ رہا ہو۔ یہ اجماع بمنزلہ نصِ قرآنی اور حدیث متواتر کے دلیل قطعی ہے' اس پر یقین اور عمل دونوں ضروری ہیں' انکار کفر ہے۔

مسئلہ خلافت کو اجماعی تواتر حاصل ہے یہ عہدِ صحابہ سے بغیر کسی اختلاف کے تواتر کے ساتھ منقول چلا آ رہا ہے۔

علامہ ماوردیؒ (المتوفی: ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

''وَعَقْدُهَا لِمَنْ يَقُومُ بِهَا فِي الْأُمَّةِ وَاجِبٌ بِالْاِجْمَاعِ''[۳۷]

''اسلامی حکومت کا بنانا' امیر کا تقرر اور امارت کے کاموں کو سنبھالنا اجماع کی رو سے فرض ہے۔''

علامہ ابن حزم الاندلسی' الظاہریؒ (المتوفی: ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

''اتفق جَمِيع أهل السنة وَجَمِيع المرجئة وَجَمِيع الشِّيعَة وَجَمِيع الْخَوَارِج على وجوب الْإِمَامَة''[۳۸]

''تمام اہلِ سُنّت والجماعت اور تمام شیعہ اور تمام خوارج اس پر متفق ہیں کہ خلیفہ کی تقرری فرض ہے۔''

ذیل میں ہم صرف ان ائمہ کے نام ذکر کر دیتے ہیں جنہوں نے مسئلہ خلافت کو اجماعی لکھا ہے' تفصیلی حوالہ جات کے لیے ہماری کتاب (مسئلہ خلافت کی شرعی حیثیت) کا مطالعہ فرمائیں۔

امام الحرمین الجوینیؒ (المتوفی: ۴۷۸ھ)[39]، امام ابومعین میمون بن محمد النسفیؒ (المتوفی: ۵۰۸ھ)[40]، علامہ شہرستانی (المتوفی: ۵۴۸ھ)[41]، ابوالحسین یحییٰ بن ابوالخیر یمنی شافعی (المتوفی: ۵۵۸ھ)[42]، علامہ نور الدین صابونیؒ (المتوفی: ۵۸۰ھ)[43]، شیخ جمال الدین احمد بن محمد الغزنوی الحنفیؒ (المتوفی: ۵۹۳ھ)[44]، امام رازیؒ (المتوفی: ۶۰۶ھ)، علامہ جلال الدین عمر بن محمد الخبازی الحنفیؒ (المتوفی: ۶۹۱ھ)[45]، علامہ عضد الدین الایجیؒ (المتوفی: ۷۵۶ھ)[46]، علامہ تفتازانیؒ (المتوفی: ۷۹۲ھ)[47]، مؤرخ ابن خلدونؒ (المتوفی: ۸۰۸ھ)[48]، علامہ کمال الدین ابن ابی الشریفؒ (المتوفی: ۹۰۵ھ)[49]، محدث ابن حجر الہیثمی المکیؒ (المتوفی: ۹۷۴ھ)[50]، ملا علی قاری الحنفیؒ (المتوفی: ۱۰۱۴ھ)[51]

خلیفہ کا تقرر فرض ہے

امام عبدالقاہر بغدادیؒ (المتوفی: ۴۲۹ھ) لکھتے ہیں:

''قال جمهور اصحابنا من المتكلمين والفقهاء من الشيعة والخوارج وأكثر المعتزلة بوجوب الامامة وأنها فرض وواجب''[52]

''جمہور متکلمین فقہاء مع شیعہ خوارج اور اکثر معتزلہ خلافت کی فرضیت کے قائل ہیں اور یہی خلافت فرضِ کفایہ ہے۔''

علامہ ماوردیؒ (المتوفی: ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

''فَإِذَا ثَبَتَ وُجُوبُ الْإِمَامَةِ فَفَرْضُهَا عَلَى الْكِفَايَةِ كَالْجِهَادِ وَطَلَبِ الْعِلْمِ، فَإِذَا قَامَ بِهَا مَنْ هُوَ مِنْ أَهْلِهَا سَقَطَ فَرْضُهَا عَلَى الْكِفَايَةِ''[53]

''جب اسلامی حکومت کی تشکیل اور امامت کی تقرری کا وجوب ثابت ہو چکا تو مذکورہ حکم جہاد اور طلب علم کی طرح فرضِ کفایہ ہے اور جب اہل لوگ یہ فرض ادا کریں تو باقی لوگ بریٔ الذمہ ہو جاتے ہیں۔''

قاضی ابویعلیٰؒ (المتوفی: ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

''وهي فرض على الكفاية، مخاطب بها طائفتان من الناس: إحداهما: أهل الاجتهاد حتى يختاروا، والثانية: من يوجد فيه شرائط الإمامة حتى ينتصب أحدهم للإمامة''[54]

''خلافت فرضِ کفایہ ہے اور اس کے مخاطب لوگوں میں سے دو فریق ہیں: پہلے اہل رائے (شوریٰ) تا کہ کسی ایک آدمی کا انتخاب کریں۔ دوسرے وہ لوگ جن میں امامت کی شرائط موجود ہوں تا کہ کسی ایک کو امام بنا دیں۔''

امام الحرمین الجوینیؒ (المتوفی: ۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:

''فَإِذَا تَقَرَّرَ وُجُوبُ نَصْبِ الْإِمَامِ، فَالَّذِي صَارَ إِلَيْهِ جَمَاهِيرُ الْأَئِمَّةِ أَنَّ وُجُوبَ النَّصْبِ مُسْتَفَادٌ مِنَ الشَّرْعِ الْمَنْقُولِ، غَيْرُ مُتَلَقًّى مِنْ قَضَايَا الْعُقُولِ''[55]

''جب امام کے تقرر کا فرض کفایہ ہونا ثابت ہو چکا تو جمہور ائمہ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ امام کے تقرر کا فرض کفایہ ہونا شرع سے منقول ہے، عقلی فیصلہ نہیں ہے۔''

ذیل میں ہم اُن ائمہ کے نام ذکر کر دیتے ہیں جنہوں نے خلافت کی فرضیت کو بیان کیا' تفصیلی حوالہ جات کے لیے ہماری کتاب (مسئلہ خلافت کی شرعی حیثیت) کا مطالعہ فرمائیں۔

امام بزدوی الحنفیؒ (المتوفی: ۴۹۳ھ)[56]، امام غزالیؒ (المتوفی: ۵۰۵ھ)[57]، علامہ شہرستانی (المتوفی: ۵۴۸ھ)[58]، علامہ کاسانی الحنفیؒ (المتوفی: ۵۸۷ھ)[59]، امام جمال الدین احمد بن محمد الغزنوی الحنفیؒ (المتوفی: ۵۹۳ھ)، امام رازیؒ (المتوفی: ۶۰۶ھ)[60]، علامہ سیف الدین آمدیؒ (المتوفی: ۶۳۱ھ)[61]، امام نووی شافعیؒ (المتوفی: ۶۷۶ھ)[62]، علامہ کمال الدین بابرتی الحنفیؒ (المتوفی: ۷۸۶ھ)، امام قرافی المالکیؒ (المتوفی: ۶۸۴ھ)[63]، علامہ بدر الدین ابن جماعہ الحموی الشافعیؒ (المتوفی: ۷۳۳ھ)[64]، علامہ عضد الدین الایجیؒ (المتوفی: ۷۵۶ھ)[65]، امام ابن ہمام الحنفیؒ (المتوفی: ۸۱۳ھ)[66]، علامہ کمال الدین ابن ابی الشریفؒ (المتوفی: ۹۰۵ھ)[67]، علامہ قاسم ابن قطلو بغا الحنفیؒ (المتوفی: ۸۷۹ھ)[68]، علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان المرداوی الدمشقی الحنبلی (المتوفی: ۸۸۵ھ)[69]، علامہ مجیر الدین المقدسی الحنبلیؒ (المتوفی: ۹۲۷ھ)[70]، علامہ حصکفی الحنفیؒ (المتوفی: ۱۰۸۸)، علامہ ابن عابدین الحنفی الشامیؒ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ)[71]، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ[72]۔

خلیفہ کا انتخاب فرضِ کفایہ کب اور فرضِ عین کب؟

تین دن تک خلیفہ کا انتخاب فرض کفایہ ہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں:

تیسرے سے چوتھا دن نہ ہونے پائے۔ ان تین دنوں میں اگر یہ فرضِ کفایہ ادا نہ کیا گیا تو پھر فرضِ عین ہوجائے گا‘ جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اگر چند لوگ ادا کر دیں تو باقیوں کے ذمے سے وہ فرضیت ساقط ہوجائے گی لیکن اگر کوئی بھی ادا نہ کرے گا تو اب ادائیگی فرضِ عین ہوجائے گی۔ ذیل میں چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

مؤرخ امام ابن جریر طبریؒ (المتوفی: ۳۱۰ھ) نے سیدنا فاروق اعظمؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

’’فَاِذَا مِتُّ فَتَشَاوَرُوا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلِيُصَلِّ بِالنَّاسِ صُهَيْبٌ، وَلَا يَأْتِيَنَّ الْيَوْمُ الرَّابِعُ اِلا وعليكم أميرا مِنْكُمْ‘‘ (۷۳)

’’جب میں فوت ہوجاؤں تو تین دن تک مشورہ کرو اور چوتھا دن نہ آنے پائے مگر ایک خلیفہ مقرر ہوجائے۔‘‘

علامہ ابن حزم الاندلسی‘ الظاہریؒ (المتوفی: ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

’’وَلَا يجوز التَّرَدُّد فِي الِاخْتِيَار أَكثر من ثَلَاث لَيَال‘‘ (۷۴)

’’خلیفہ کی وفات کے بعد تین دن سے زیادہ (تذبذب اور تاخیر) جائز نہیں۔‘‘

قاضی ابویعلیٰ الفراءؒ (المتوفی: ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

’’لا يحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يبيت ولا يراه إماماً براً كان أو فاجرًا‘‘ (۷۵)

’’جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے‘ اس کے لیے جائز نہیں کہ رات بغیر امام کے گزارے چاہے وہ نیک ہو یا بد۔‘‘

امام الحرمین الجوینیؒ (المتوفی: ۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:

’’ثُمَّ مَا يُقْضَى عَلَيْهِ بِأَنَّهُ مِنْ فُرُوضِ الْكِفَايَاتِ، قَدْ يَتَعَيَّنُ عَلَى بَعْضِ النَّاسِ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ‘‘ (۷۶)

یعنی فرضِ کفایہ بعض اوقات بعض لوگوں پر فرضِ عین ہوجاتا ہے۔

فرضیتِ خلافت کے مکلّف لوگ کون ہیں؟

جب یہ دلائل سے معلوم ہوچکا کہ خلیفہ کا انتخاب تین دن تک فرضِ کفایہ اور تین دن بعد فرضِ عین ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اس فرضیت کے مکلّف لوگ کون ہیں؟ کون اس فرض کو ادا

کریں گے؟

ابتداءً اس فرض کی ادائیگی کی ذمہ داری دو گروہوں پر ہے:

(۱) اہلِ اجتہاد (شوریٰ) جنہیں اہلِ حل وعقد بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) اہل الخلافۃ (یعنی وہ لوگ جن میں خلیفہ بننے کی اہلیت ہو وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں)

قاضی ابویعلیٰ الفراءؒ (المتوفی: ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

’’وهي فرض على الكفاية، مخاطب بها طائفتان من الناس، إحداهما: أهل الاجتهاد حتى يختاروا، والثانية: من يوجد فيه شرائط الإمامة حتى ينتصب أحدهم للإمامة‘‘ (۷۷)

’’خلافت فرضِ کفایہ ہے‘ اس کے مخاطب دو لوگ ہیں: اہل الرائے (شوریٰ) تاکہ کسی ایک آدمی کا انتخاب کریں۔ دوم وہ لوگ جن میں امامت کی شرائط موجود ہوں تاکہ کسی ایک کو امام بنادیں۔‘‘

اگر ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو پھر تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ خلیفہ کا تقرر کریں اور نظامِ خلافت کو قائم کریں‘ نہیں تو حسبِ مراتب تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔

امام الحرمین الجوینیؒ (المتوفی: ۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:

’’وَلَوْ فُرِضَ تَعْطِيلُ فَرْضٍ مِنْ فُرُوضِ الْكِفَايَاتِ لَعَمَّ الْمَأْثَمُ عَلَى الْكَافَّةِ عَلَى اخْتِلَافِ الرُّتَبِ وَالدَّرَجَاتِ‘‘ (۷۸)

’’اگر بالفرض فروضِ کفایہ میں سے کوئی فرضِ کفایہ معطل ہوجائے تو تمام لوگ حسبِ مراتب اور حسبِ درجات گناہ گار ہوں گے۔‘‘

افسوس صد افسوس‘ آج خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کو ایک صدی مکمل ہوچکی ہے۔ اس وقت مسلمانوں پر فرضِ عین ہے کہ نظامِ خلافت کو قائم کرنے کی جِدّوجُہد کریں اور یہ ذمہ داری حسبِ مراتب معاشرے میں سب سے زیادہ علماء پر عائد ہوتی ہے۔

عصرِ حاضر میں خلافت قائم کرنے کی اوّلین ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

مولانا عبدالباقی حقانی لکھتے ہیں:

"دینی علماء کو چاہیے کہ اپنی مسئولیت کو محسوس کریں اور علمی میدان میں اسلامی خلافت کے متعلق عوام خصوصاً نوجوان نسل اور دینی طلبہ کے اذہان کو تیار کریں۔"[۷۹]

دوسرے مقام پر مستقل عنوان "موجودہ دور میں خلافت کا قیام" قائم کر کے لکھتے ہیں:

"یہی وہ حقیقت ہے جس کے بارے میں علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کو قائم کرنا فرض یا رکن ہے ...... بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس حقیقت کے بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور اسلام کے لیے ریاست اور عام قیادت کا قیام مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ دین کا اساسی رکن ہے اور اُمت اس واجب کو قائم نہ کر کے بہت بڑی کوتاہی کر رہی ہے اور دینی اعتبار سے گناہ میں پڑی ہوئی ہے بلکہ اپنی ذات‘ اپنی مصلحت اور اپنے انجام میں بھی کوتاہی کر رہی ہے۔ اس بنا پر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُمت موجودہ زمانے میں جب سے ترکی کی خلافت ختم ہوئی اس واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہی ہے اور اسے اللہ کے سامنے جواب دہی کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ اور سیاسی اراکین‘ علماء‘ اولوالامر اور ذی رائے لوگ سب گناہ گار ہیں کیونکہ خلافت کے قیام کا اوّل فریضہ تو ان پر عائد ہوتا ہے اور سب سے اوّل مرتبہ میں ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہ لوگ دین اور اُمت کی حفاظت کریں۔"[۸۰]

فرضیتِ خلافت کی شرعی علت

شریعت کے بہت سارے فرائض خلیفہ کی تقرری پر موقوف ہیں۔ انہیں خلیفہ کے بغیر بتمام وکمال ادا نہیں کیا جا سکتا اور فقہ کا اصول ہے: مُقَدِّمَۃُ الْوَاجِبِ وَاجِبٌ "فرض کا مقدمہ بھی فرض ہوتا ہے"۔ جیسے نماز فرض ہے اور وضو اس کا مقدمہ ہے تو وہ بھی فرض ہے۔ اسی طرح حدود اللہ کا نفاذ‘ بما انزل اللہ یعنی شریعت کے موافق حکومت کرنا‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ فرض ہیں۔ یہ تمام فرائض خلیفہ کی تقرری پر موقوف ہیں لہٰذا خلیفہ کا تقرر بھی فرض ہے۔

علامہ تفتازانیؒ (المتوفیٰ: ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

"ولأن الامة قد جعلوا اهم المهمات بعد وفاة النبي ﷺ نصب الامام حتى قدموه على الدفن، وكذا بعد موت كل امام، ولأن كثيرا من الواجبات الشرعية يتوقف عليه"

"یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ کی تقرری کو

سب سے اہم کام قرار دیا حتیٰ کہ اس کام کو رسول اکرم ﷺ کی تدفین پر مقدم کیا۔ اسی طرح ہر خلیفہ کی موت کے بعد (اس کی تدفین سے پہلے اگلے خلیفہ کا انتخاب) کیا گیا کیونکہ بہت سارے فرائض شرعیہ خلیفہ کی تقرری پر موقوف ہیں۔"

اس کے بعد علامہ تفتازانیؒ (المتوفیٰ: ۷۹۲ھ) نے امام نجم الدین نسفیؒ (المتوفیٰ: ۵۳۷ھ) —— جن کا شمار ائمہ حنفیہ کے اساطین میں ہوتا ہے آپؒ کے عہد تک علمِ کلام کا کارواں پُر پیچ مرحلوں سے گزر کر منزل آشنا ہو چکا تھا اور یہ فن اوجِ کمال تک پہنچ گیا تھا۔ عقائد پر آپ کا قابلِ اعتماد متن جو درسِ نظامی میں پڑھایا جاتا ہے —— ان کی مکمل عبارت نقل کی:

"والمسلمون لا بد لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم، وإقامة حدودهم، وسد ثغورهم، وتجهيز جيوشهم، وأخذ صدقاتهم، وقهر المتغلبة، والمتلصصة وقطاع الطريق، وإقامة الجمع والأعياد، وقطع المنازعات الواقعة بين العباد، وقبول الشهادات القائمة على الحقوق، وتزويج الصغار، والصغائر الذين لا اولياء لهم، وقسمة الغنائم"

"اور مسلمانوں کے لیے کوئی خلیفہ ہونا ضروری ہے جو ان پر احکامِ شریعت نافذ کرے اور ان پر حدود قائم کرے اور ان کی سرحدوں کی حفاظت کرے اور ان کی فوج تیار کرے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرے اور ظالموں‘ غاصبوں‘ چوروں اور ڈاکوؤں کو مغلوب کرے اور جمعہ وعیدین کی نمازوں کا انتظام کرے اور لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے جھگڑوں کا خاتمہ کرے اور حقوق پر قائم کی جانے والی شہادتوں کو قائم کرے اور ان نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرے (جب وہ بالغ ہو جائیں) جن کا کوئی ولی نہیں اور اموالِ غنیمت کو تقسیم کرے۔"[۸۱]

یہی رائے ہے امام عبدالقاہر بغدادیؒ (المتوفیٰ: ۴۲۹ھ) کی[۸۲]۔ علامہ ابن حزم الاندلسی‘ الظاہریؒ (المتوفیٰ: ۴۵۶ھ) کی[۸۳]۔ امام بزدوی الحنفیؒ (المتوفیٰ: ۴۹۳ھ) کی[۸۴]۔ امام ابو معین میمون نسفیؒ (المتوفیٰ: ۵۰۸ھ) کی[۸۵]۔ علامہ شہرستانی (المتوفیٰ: ۵۴۸ھ) کی[۸۶]۔ علامہ نور الدین صابونیؒ (المتوفیٰ: ۵۸۰ھ) کی[۸۷]۔ شیخ جمال الدین احمد بن محمد الغزنوی الحنفیؒ (المتوفیٰ: ۵۹۳ھ) کی[۸۸]۔ علامہ جلال الدین عمر بن محمد الخبازی الحنفیؒ (المتوفیٰ: ۶۹۱ھ) کی[۸۹]‘ قاسم ابن قطلوبغا الحنفیؒ (المتوفیٰ: ۸۷۹ھ) کی[۹۰]۔ علامہ بدر الدین ابن جماعہ الحموی الشافعیؒ

(المتوفی: ۷۳۳ھ) کی[۹۱]۔ ملا علی القاریؒ (المتوفی: ۱۰۱۴ھ) کی[۹۲]۔ علامہ ابن عابدین الحنفی الشامیؒ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) کی[۹۳]۔

خلافت کا منکر کافر ہے

امام ابومعین میمون بن محمد النسفیؒ (المتوفی: ۵۰۸ھ) لکھتے ہیں:

''فلا يجوز أن يمضي علينا يوم ولم نر على أنفسنا اماما وهو الخليفة، لأن كل من كان لا يرى الامام حقا فانه يكفر، لأن من الأحكام ما يتعلق جوازه بالامام، نحو الجمعة والعيدين، ونكاح الأيتام، وكل من انكر الامام فقد انكر الفرائض فانه كافر''[۹۴]

''پس جائز نہیں ہے کہ ہم خلیفہ کے بغیر ایک دن بھی گزاریں' جو شخص خلیفہ کے تقرر کو حق نہ جانے اس نے کفر کیا ہے کیونکہ شریعت کے بہت سارے فرائض خلیفہ کے تقرر پر موقوف ہیں لہٰذا ہر وہ شخص جو خلیفہ کا انکار کرتا ہے گویا اس نے فرائض کا انکار کیا اور جو فرائض کا انکار کرے وہ کافر ہے۔''

تنبیہ

آج مسلمانوں پر نظامِ خلافت کو قائم کرنا نماز کی طرح فرض عین ہے۔ جو مسلمان جِدّ و جُہد نہیں کر رہے وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں' فسق میں مبتلا ہیں۔ خدارا' اپنے آپ کو اس گناہ سے نجات دلائیں' جو جان پیش کر سکتا ہے وہ جان پیش کرے جو مال پیش کر سکتا ہے وہ مال پیش کرے' جو لکھ سکتا ہے وہ خوب لکھے' جو بول سکتا ہے وہ خوب بولے۔ ہم اپنے آپ کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کھپا دیں۔

یہ مضمون میری کتاب ''مسئلہ خلافت کی شرعی حیثیت'' کا اختصار ہے۔ اگر آپ اصل حوالہ جات مع اردو ترجمہ تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو میری کتاب کو حاصل کر کے ضرور مطالعہ فرمائیں جو ایک نظریاتی شخص کے لیے بہت مفید ہے (واللہ اعلم بالصواب)

حواشی

(۱) اقتصاد فی الاعتقاد: ج ۱' ص ۱۲۷' الباب الثالث فی الامامۃ۔

(۲) اقتصاد فی الاعتقاد: ج ۱' ص ۱۲۷' الباب الثالث فی الامامۃ۔

(۳) ابکار الافکار فی اصول الدین: ج ۵' ص ۱۱۹' الاصل الاول فی الامامۃ۔

(۴) غایۃ المرام فی علم الکلام: ج ۱' ص ۳۶۳' القانون الثامن فی الامامۃ۔

(۵) شرح المقاصد: ج ۳' ص ۴۶۹' الفصل الرابع فی الامامۃ

(۶) المسامرۃ بشرح المسایرۃ: ص ۲۹۴' الاصل السابع فی الامامۃ

(۷) النبراس علی شرح العقائد: ص ۵۴۵۔

(۸) رد المحتار علی الدر المختار: ج ۱' ص ۵۴۷' بَابُ الْإِمَامَةِ.

(۹) الهادي في علم الكلام: ص ۳۱۰' الكلام في الامامة.

(۱۰) زاد المسير في علم التفسير لابن الجوزي (المتوفى: ۵۹۷ھ) ج ۱' ص ۵۰

(۱۱) جامع البيان في تأويل القرآن: ج ۱' ص ۴۵۲' تحت آیت: ۳۰

(۱۲) معالم التنزيل في تفسير القرآن: ج ۱' ص ۷۹' تحت آیت: ۳۰

(۱۳) الجامع لأحكام القرآن: ج ۱' ص ۲۶۴' تحت آیت: ۳۰

(۱۴) الجامع لأحكام القرآن: ج ۱' ص ۲۶۵' تحت آیت: ۳۰

(۱۵) أنوار التنزيل وأسرار التأويل: ج ۱' ص ۶۸' تحت آیت: ۳۰

(۱۶) معارف القرآن: ج ۱' ص ۱۱۸۔

(۱۷) اصول الدین: ص ۲۸۱' تحت: الامامۃ.

(۱۸) غاية المرام في علم الكلام: ص ۳۶۴' القانون الثامن في الامامة.

(۱۹) بیان القرآن: ج ۱' ص ۵۵۰

(۲۰) التفسير الكبير: ج ۱۱' ص ۳۵۱

(۲۱) التفسير الكبير: ج ۲۳' ص ۳۱۳

(۲۲) رد المحتار على الدر المختار: ج ۱' ص ۵۴۸' بَابُ الْإِمَامَةِ.

(۲۳) غاية المرام في علم الكلام: ج ۱' ص ۳۶۴' الطَّرف الأول فی وجوب الإماكة وَمَا يتَعَلَّق بهَا.

(۲۴) كتاب المواقف: ج ۳' ص ۵۸۰' المرصد الرابع في الإمامة ومباحثها.

(۲۵) المسامرة بشرح المسايرة: ص ۲۹۹' الاصل السابع في الامامة.

(۲۶) ترجمان السنة: ج ۱' ص ۱۸۶

(۲۷) الاقتصاد في الاعتقاد: ج ۱' ص ۱۲۸' الباب الثالث في الامامة.

(۲۸) شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي' ج ۱' ص ۳۵۱' تابع قوله:

والإیمان: ھو الإقرار باللسان.

(۲۹) النکت علی مقدمة ابن الصلاح‘ ج ۱ ‘ ص ۳۹۰‘ النَّوْعِ الثَّالِثِ فِي معرفة الضَّعِيف.

(۳۰) الصحیح للبخاري‘ ج ۹ ‘ ص ۴۷‘ حدیث: ۷۰۵۳‘ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: ((سَتَرَوْنَ بَعْدِي أُمُورًا تُنْكِرُونَهَا))

(۳۱) الصحیح للامام مسلم‘ ج ۳‘ ص ۱۴۷۶‘ رقم الحدیث: ۱۸۴۸‘ بَابُ الْأَمْرِ بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ عِنْدَ ظُهُورِ الْفِتَنِ و تحذیر الدعاة إلی الکفر.

(۳۲) الصحیح للامام مسلم: ج ۳‘ ص ۱۴۷۸‘ رقم الحدیث: ۱۸۵۱‘ بَابُ الْأَمْرِ بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ عِنْدَ ظُهُورِ الْفِتَنِ و تحذیر الدعاة إلی الکفر.

(۳۳) مسند أبي داود الطیالسي: ج ۳‘ ص ۴۲۵‘ رقم الحدیث: ۲۰۲۵

(۳۴) مسند أبي یعلی: ج ۱۳‘ ص ۳۶۶‘ رقم الحدیث: ۷۳۷۵

(۳۵) المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۱۰ ‘ ص ۱۲۲ رقم الحدیث: ۱۰۲۱۰

(۳۶) الصحیح للامام مسلم: ج ۳‘ ص ۱۴۷۱‘ رقم الحدیث: ۱۸۴۱‘ بَابٌ فِي الْإِمَامِ إِذَا أَمَرَ بِتَقْوَى اللهِ وَعَدَلَ كَانَ لَهُ أَجْرٌ.

(۳۷) الأحکام السلطانیة: ج ۱ ‘ ص ۱۵‘ الْبَابُ الْأَوَّلُ: فِي عَقْدِ الْإِمَامَةِ.

(۳۸) الفصل في الملل والأھواء والنحل: ج ۴‘ ص ۷۲‘ الْكَلَام فِي الْإِمَامَة والمفاضلة بي الصَّحَابَة.

(۳۹) غیاث الأمم في التیاث الظلم: ج ۱ ‘ ص ۲۴‘ حُكْمُ نَصْبِ الْإِمَامِ.

(۴۰) تبصرة الادلة في اصول الدین: ص ۱۱۰۳‘ الکلام في الامامة.

(۴۱) نھایة الإقدام في علم الکلام: ج ۱ ‘ ص ۲۷۳‘ القول في الإمامة.

(۴۲) البیان في مذھب الإمام الشافعي: ج ۱۲‘ ص ۸

(۴۳) الکفایة في الھدایة: ص ۲۱۲‘ القول في الامامة.

(۴۴) اصول الدین: ص ۲۸۳‘ تحت: الامامة.

(۴۵) حاشیة علی الخمسون في اصول الدین: ص ۲۴۰‘ المسئلة في ان الخلیفة في زماننا ھو امیر المؤمنین.

(۴۶) الھادي في علم الکلام: ص ۳۱۰‘ الکلام في الامامة.

(۴۷) کتاب المواقف: ج ۳‘ ص ۵۸۰‘ المرصد الرابع في الإمامة و مباحثھا.

(۴۸) شرح العقائد: ص ۳۵۳‘ نصب الامام و فرائضه.

(۴۹) دیوان المبتدأ والخبر في تاریخ العرب والبربر: ج ۱ ‘ ص ۲۳۹‘ الفصل السادس

والعشرون في اختلاف الأمة في حکم ھذا المنصب و شروطه.

(۵۰) المسامرة بشرح المسایرة: ص ۲۹۹‘ الاصل السابع في الامامة.

(۵۱) مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: ج ۶‘ ص ۲۳۹۴‘ کتاب الإمارة والقضاء.

(۵۲) اصول الایمان: ج ۱ ‘ ص ۲۱۶ المسألة الأولی من ھذا الأصل في بیان وجوب الإمامة.

(۵۳) الأحکام السلطانیة: ج ۱ ‘ ص ۱۷‘ فَصْلٌ: فِي بَيَانِ حُكْمِ الْخِلَافَةِ.

(۵۴) الأحکام السلطانیة‘ ج ۱ ‘ ص ۱۹‘ فصول في الإمامة.

(۵۵) غیاث الأمم في التیاث الظلم‘ ج ۱ ‘ ص ۲۴‘ حُكْمُ نَصْبِ الْإِمَامِ.

(۵۶) اصول الدین‘ ص ۱۹۱‘ ھل یجب تعیین احد للامامة.

(۵۷) الاقتصاد في الاعتقاد‘ ج ۱ ‘ ص ۱۲۸‘ الباب الثالث في الامامة.

(۵۸) نھایة الإقدام في علم الکلام‘ ج ۱ ‘ ص ۲۶۷‘ القول في الإمامة.

(۵۹) بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع‘ ج ۷‘ ص ۲‘ كِتَابُ آدَابِ الْقَاضِي.

(۶۰) التفسیر الکبیر‘ ج ۱۱ ‘ ص ۳۵۱۔

(۶۱) غایة المرام في علم الکلام‘ ج ۱ ‘ ص ۳۶۶‘ الطَّرَف الأول فی وجوب الإمامة وَمَا يَتَعَلَّقُ بهَا.

(۶۲) روضة الطالبین وعمدة المفتین‘ ج ۷‘ ص ۲۶۳‘ الفصل الثاني: في وجوب الإمامة وبیان طرقھا.

(۶۳) الذخیرة‘ ج ۱۳‘ ص ۲۳۴‘ الْجِنْسُ الْأَوَّلُ الْعَقِيدَةُ.

(۶۴) تحریر الأحکام في تدبیر أھل الإسلام‘ ج ۱ ‘ ص ۴۸‘ في وجوب الْإِمَامَة وشروط الإِمَام وَأَحْكَامه.

(۶۵) کتاب المواقف‘ ج ۳‘ ص ۵۷۸‘ المرصد الرابع في الإمامة و مباحثھا.

(۶۶) المسایرة‘ ص ۲۹۴‘ الاصل السابع في الامامة.

(۶۷) المسامرة بشرح المسایرة‘ ص ۲۹۶‘ الاصل السابع في الامامة.

(۶۸) حاشیة المسامرة‘ ص ۲۹۶‘ الاصل السابع في الامامة.

(۶۹) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف‘ ج ۱۰ ‘ ص ۳۱۰‘ بَابُ قِتَالِ أَهْلِ الْبَغْيِ.

(۷۰) فتح الرحمٰن في تفسیر القرآن: ج ۶‘ ص ۳۶۶‘ تحت: وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا.

(۷۱) رد المحتار علی الدر المختار: ج ۱ ‘ ص ۵۴۸‘ مَطْلَبُ شُرُوطِ الْإِمَامَةِ الْكُبْرَى.

(۷۲) إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ج ۱ ص ۹۔

(۷۳) تاريخ الرسل والملوك: ج ۴ ص ۲۲۹ قِصَّةُ الشُّورَى.

(۷۴) الفصل في الملل والأهواء والنحل: ج ۴ ص ۱۳۱ الكَلَام في عقد الإمَامَة بماذا تصح.

(۷۵) الأحكام السلطانية: ج ۱ ص ۲۰ فصول في الإمامة.

(۷۶) الغياثي غياث الأمم في التياث الظلم: ج ۱ ص ۳۵۹ مَنْزِلَةُ فروضِ الكِفَايَاتِ.

(۷۷) الأحكام السلطانية: ج ۱ ص ۱۹ فصول في الإمامة.

(۷۸) الغياثي غياث الأمم في التياث الظلم: ج ۱ ص ۳۵۹ مَنْزِلَةُ فروضِ الكِفَايَاتِ.

(۷۹) اسلام کا نظام سیاست وحکومت، ج ۱ ص ۲۰۸

(۸۰) اسلام کا نظام سیاست وحکومت: ج ۱ ص ۳۱۲

(۸۱) شرح العقائد النسفية: ص ۳۵۴ نصب الامام وفرائضه.

(۸۲) اصول الايمان: ج ۱ ص ۲۱۶ المسألة الأولى من هذا الأصل في بيان وجوب الإمامة

(۸۳) الفصل في الملل والأهواء والنحل: ج ۴ ص ۷۲ الكَلَام في الإمَامَة والمفاضلة بي الصَّحَابَة

(۸۴) اصول الدين: ص ۱۸۳ مسئلة الخليفة بعد النبي.

(۸۵) تبصرة الادلة في اصول الدين: ص ۱۱۰۳ الكلام في الامامة.

(۸۶) نهاية الإقدام في علم الكلام: ج ۱ ص ۲۶۷ القول في الإمامة.

(۸۷) الكفاية في الهداية: ص ۲۱۱، ۲۱۲ القول في الامامة.

(۸۸) اصول الدين: ص ۲۲۹ تحت: الامامة.

(۸۹) الهادي في علم الكلام: ص ۳۱۰ الكلام في الامامة.

(۹۰) حاشيه مسامره: ص ۲۹۸ الاصل السابع في الامامة.

(۹۱) تحرير الأحكام في تدبير أهل الإسلام: ج ۱ ص ۴۸ في وجوب الإمَامَة وشروط الإمَام وأَحكَامه.

(۹۲) شرح الفقه الاكبر: ص ۱۴۶ منها مسئلة نصب الامام.

(۹۳) رد المحتار على الدر المختار: ج ۱ ص ۵۴۸ مَطْلَبُ شروطِ الإمَامَةِ الكُبرى.

(۹۴) بحر الكلام: ص ۲۲۷ فصل في الامامة.

❁❁❁

محترم اُستاد پروفیسر حافظ احمد یارؒ کی دس سالہ محنت کا نچوڑ۔

علومِ قرآنیہ پر انمول کتاب

''لغات واعرابِ قرآن'' کی روشنی میں

''ترجمۂ قرآن کی لغوی اور نحوی بنیادیں''

اور

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مطالعہ قرآن

کے منتخب نصاب کی تدریس باعتبار

اللغة، الرسم، الاعراب، الضبط، النحو، الصّرف، التركيب والتحليل

درج ذیل ویب سائٹ اور موبائل ایپلی کیشن (ایپ) میں دستیاب ہے

Website: www.hafizahmedyar.com

Android Mobile App Name:
Lughat o Aerab e Quran
QR CODE:

Apple Appstore App Name:
Professor Hafiz Ahmed Yar
QR CODE:

IT Section, ITRS, Markazi Anjuman Khuddam ul Quran

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا پہلا دورۂ امریکہ
اور
اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور

ڈاکٹر سید ساجد حسین

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ پہلی مرتبہ اگست ۱۹۷۹ء میں امریکہ تشریف لائے۔ اپنے اس سفر کی روداد ''امریکہ میں ڈیڑھ ماہ'' کے عنوان سے رسالہ ''میثاق'' کے جنوری' فروری ۱۹۸۰ء کے شمارہ میں تفصیل سے لکھی ہے۔

ڈاکٹر شوکت یوسف خان (تمغۂ امتیاز) کی ملاقات ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں لاہور میں ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں ڈاکٹر شوکت خان نے ڈاکٹر صاحبؒ کو امریکہ آنے کی دعوت دی اور امریکہ واپس آ کر ''اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور'' (Islamic Society of Baltimore) کی طرف سے بحیثیت صدر اور ڈاکٹر جاوید شفیع' سیکرٹری کے دستخطوں سے باضابطہ دعوت نامہ ارسال کر دیا۔ بعد ازاں عظیم الرحمٰن خان صاحب صدر منتخب ہوئے تو انہوں نے بھی گزشتہ دعوت نامہ کی تجدید کی اور سوسائٹی کی طرف سے پی آئی اے کا دوطرفہ ٹکٹ ارسال کر دیا۔ ۱۸/اگست ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی لاہور سے روانگی ہوئی اور ۲۱/اگست ۱۹۷۹ء کو بالٹی مور/امریکہ آمد ہوئی۔ یہ رمضان کا آخری عشرہ تھا۔

بالٹی مور میں ڈاکٹر صاحب کا قیام زیادہ تر میرے غریب خانہ پر رہا جو کہ میرے لیے باعث عز و افتخار ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بارے تذکرہ بایں الفاظ کیا ہے:

''بالٹی مور اور واشنگٹن کے مابین اگرچہ ساٹھ ستر میل کا فاصلہ ہے' لیکن امریکہ کے حساب سے انہیں جڑواں شہر قرار دینا غلط نہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کا انٹرنیشنل ایئرپورٹ مشترکہ ہے جو دونوں کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔ اس علاقے میں مَیں

پورے دس دن گھومتا رہا' یعنی ۲۲ اگست تا یکم ستمبر۔ اس دوران میرا قیام زیادہ تر سید ساجد حسین صاحب کے مکان پر رہا۔ یہ یوپی کے ضلع فتح پور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے دادا گورنمنٹ کنٹریکٹر تھے اور انہوں نے ذاتی محنت سے بہت اونچا مقام حاصل کر لیا تھا' یہاں تک کہ ان کے نجی مراسم مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد ایسے اعاظم رجال سے تھے.... ان دنوں ان کے ساتھ ہی عبدالقیوم صاحب بھی مقیم تھے' جن کا تعلق حیدر آباد دکن سے ہے اور جو بالٹی مور کی میونسپل کمیٹی میں کسی اچھے عہدے پر فائز ہیں۔ اتفاق سے ان دونوں حضرات کے بچے ان دنوں پاکستان آئے ہوئے تھے۔ نتیجتاً ان کا ''خانہ خالی'' ''غریب الدیار'' لوگوں کی قیام گاہ بن رہا تھا۔ ان کے یہاں جو بستر مجھے ملا' معلوم ہوا کہ اسی پر مجھ سے کچھ ہی دن پہلے جناب نعیم صدیقی اور ان سے چند روز قبل برادرم خرم جاہ مراد سوتے رہے ہیں۔ سید ساجد حسین اور جناب عبدالقیوم دونوں ہی نہایت مخلص مسلمان ہیں۔ ان کی محبت بھری مہمان نوازی عرصہ دراز تک یاد رہے گی۔

۲۲ اور ۲۳ دو دن آرام کرتے ہوئے گزرے۔ ۲۲ کی افطاری ہم سب نے عظیم الرحمٰن خان کے مکان پر کی۔ ۲۴ اگست کو جمعہ بھی تھا اور عید الفطر بھی۔ عید الفطر کی نماز میں نے بالٹی مور کے وسط شہر سے بہت قریب واقع اس کھلے پلاٹ میں پڑھائی جو وہاں کی اسلامی سوسائٹی نے اسلامی مرکز کی تعمیر کے لیے خرید لیا ہے۔''

(ماہنامہ میثاق: جنوری' فروری ۱۹۸۰ء)

اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور ۱۹۶۹ء میں قائم ہوئی' لیکن اس کی اپنی کوئی جگہ یا عمارت نہیں تھی۔ مختلف مسلم ممالک سے ہجرت کر کے آنے والوں کی تعداد شہر اور اس کے گردونواح میں مختصر تھی۔ دینی تعلق قائم کرنے کے خواہاں کچھ افراد ہر اتوار کو باجماعت نماز ظہر اور تفسیر قرآن کے لیے Johns Hopkins University (جان ہاپکنز یونیورسٹی) کے Shaffer Hall (شیفر ہال) میں جمع ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ ۱۹۶۹ء میں چند افراد نے جو کہ پابندی سے نمازِ ظہر اور تفسیرِ قرآن کے لیے شیفر ہال میں فعال تھے' اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور کا باضابطہ اجراء کیا۔ دینی سرگرمیاں البتہ شیفر ہال تک محدود تھیں۔ گاہے گاہے کچھ اجتماعات لوگوں کے گھروں میں منعقد ہوتے تھے۔

اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کی اپنی کوئی معقول جگہ یا عمارت ہو جو مسجد' دینی فرائض اور سوشل مقاصد کے لیے استعمال ہو سکے۔ ۱۹۷۶ء میں باوجود محدود مالی

وسائل کے‘ ایک قطعہ اراضی اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور کے لیے خریدا گیا۔ زمین کے حصول اور فنڈ ریزنگ میں ڈاکٹر مشتاق احمد خان کا انہماک اور خلوص فقید المثال تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد ﷫ رمضان کے آخری عشرہ میں بالٹی مور آئے۔ کمیونٹی میں کچھ لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ کیوں نہ ہم لوگ عید الفطر کی نماز مسجد کے لیے خریدی گئی زمین پر ادا کریں جہاں ڈاکٹر اسرار احمد عید کا خطبہ دیں اور امامت کریں۔ چنانچہ اس قطعہ زمین کے مختصر سے حصے کی جھاڑیاں اور خودرَو درخت صاف کر کے پلاسٹک کی شیٹ اور چادریں بچھا کر نمازِ عید کے لیے جگہ تیار کی گئی۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے عید الفطر کی نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ یوں اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور کی مسجد کی زمین پر پہلی باجماعت نماز اور دینی اجتماع سے خطاب کا اعزاز قدرت نے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو عطا کیا۔ آج اگر ڈاکٹر صاحب حیات ہوتے تو اس زمین پر جہاں انہوں نے کھلے آسمان کے نیچے پہلی باجماعت نماز ادا کی تھی وہاں منبر ومحراب اور گنبد ومینار کے ساتھ مسجد کی شان وشوکت دیکھ کر انتہائی مسرور ہوتے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی روح شادمان ہوگی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

’’مسجد الرحمہ‘‘ ۱۹۸۲ء میں ابتدائی شکل میں مکمل ہوئی۔ ’’الرحمہ اسکول‘‘ ۱۹۸۷ء اور قرآن اکیڈمی ۱۹۹۹ء میں قائم ہوئی۔ اس وقت ہزاروں مسلمان اس مسجد سے وابستہ اور سینکڑوں بچے دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ قرآن اکیڈمی سے قاری محمد زاہد اور قاری محمد عابد کی سربراہی میں تقریباً دوسو سے زائد حفاظ فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔

ایک وقت تھا کہ یہاں ماہِ رمضان میں تراویح کے لیے مصر اور پاکستان سے کسی حافظ قرآن کو مدعو کیا جاتا تھا۔ الحمد للہ‘ اب مقامی حفاظ کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ نہ صرف مسجد الرحمہ بلکہ بالٹی مور کے مضافات میں بہت سی دوسری مساجد‘ مصلّی اور گھروں میں قرآن اکیڈمی سے حفظ کرنے والے بچے تراویح پڑھاتے ہیں۔

شیخ سعد بیگ کی قیادت میں الرحمہ اسکول بچوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم وتربیت میں حتی المقدور کوشاں ہے۔ شیخ یٰسین شیخ لیڈ ریذیڈنٹ اسکالر (Lead Resident Scholar) ہیں۔ وہ اسلامیات‘ سیرت النبیؐ‘ تعلیم بالغاں‘ کونسلنگ اور اشاعت دین کے لیے بین المذاہب

مذاکرات وغیرہ کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ شیخ عصمت (Ismet Akcin) نمازوں کی امامت اور دیگر شرعی مسائل سے متعلق ذمہ داری بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ ان کا تعلق ترکی سے ہے۔ وہ ایک مستند قاری ہیں۔ ان کی قراءت کی رِقت سے سامعین مسحور ہو جاتے ہیں۔

شیخ محمد احمد ایک نوعمر عالم دین ہیں‘ جو نوجوان بچوں کے لیے مختلف دینی پروگرام نہایت ولولہ اور جوش خروش سے انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر رائد عوض اللہ ریذیڈنٹ اسکالر اور مفسّرِ قرآن ہیں۔ ان کا تعلق فلسطین سے ہے۔ عربی زبان کے اسرار ورموز سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے تفسیر قرآن کے حلقے میں لوگ باقاعدگی سے شامل ہوتے ہیں۔ عالمہ مریم اسماعیل خواتین کی اسلامی تعلیمات‘ دینی مسائل اور کونسلنگ کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔

الغرض قرآن اور سُنّت کی روشنی میں دینی تعلیم وتربیت کے فرائض مستند عالم دین اساتذہ بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

دینی تعلیم وتربیت اور احکامِ شریعت کی پیروی کے علاوہ اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور میڈیکل کلینک بھی چلا رہی ہے جہاں بلاتخصیص مذہب ضرورت مند لوگوں کا مفت علاج ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انور کھوکھر اس کے روحِ رواں ہیں۔ ان کے علاوہ کئی اور مسلم ڈاکٹر بھی فلاحی جذبہ اور انسانی ہمدردی کے تحت خدمات انجام دے رہے ہیں۔

گزشتہ نصف صدی میں بے شمار لوگوں نے نہایت خلوص اور دینی جذبہ کے ساتھ اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور کے کونسل اور بورڈ میں رضا کارانہ خدمات انجام دیں۔ جن لوگوں نے کلیدی خدمات انجام دیں ان میں ڈاکٹر مقبول پٹیل اور ڈاکٹر سید حبیب اشرف سرفہرست ہیں۔

ڈاکٹر احمد توری (Dr.Edmund Ahmed Tori) ایک نومسلم ہیں۔ یہ ISB کا حسن اعجاز ہے کہ عیسائیت سے اسلام قبول کرنے والا یہ مردِ مؤمن نہ صرف یہ کہ خود باعمل مسلمان ہے بلکہ کئی بیٹیاں اور بیٹا حافظ قرآن ہیں۔ ڈاکٹر احمد توری نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے ISB کی صدارت کے فرائض بھی احسن طریقے سے انجام دیے۔ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ڈاکٹر احمد توری کی زوجہ ڈاکٹر اَسماء شیخ میرے دیرینہ رفیق اور عزیز دوست حافظ منظور شیخ کی صاحب زادی ہیں۔

اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور کا امریکہ میں ایک منفرد اور تاریخی مقام ہے۔ فروری

۲۰۱۶ء میں امریکہ کے سابق صدر باراک اوباما بحیثیت مہمان خصوصی ISB تشریف لائے اور مسلم کمیونٹی و حاضرین مسجد کو خطاب کیا۔ امریکہ کی دو سو سالہ تاریخ میں صرف تین مرتبہ امریکی صدر نے کسی مسجد میں آ کر امریکی مسلمانوں کو خطاب کیا۔ ۱۹۵۷ء میں صدر آئزن ہاور اور ۲۰۰۱ء میں صدر جارج ڈبلیو بش نے اسلامک سنٹر واشنگٹن میں بہ نفس نفیس آ کر امریکی مسلمانوں کو خطاب کیا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنے اس سفر امریکہ کے دوران مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے ملاقات کے شدید خواہش مند تھے‘ جو اُن دنوں بغرضِ علاج امریکہ ہی میں مقیم تھے۔ تاہم مولانا مودودیؒ کی شدید علالت کے باعث ملاقات ممکن نہ ہوسکی۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو بفلو میں مولانا مودودیؒ کا انتقال ہوگیا۔ ’’تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ کے تتمہ ’’مولانا مودودی مرحوم اور مَیں‘‘ میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

’’بہر حال بفلو ایئر پورٹ سے باہر آئے تو معلوم ہوا کہ راستہ وغیرہ کسی کو معلوم نہیں۔ فون پر ڈاکٹر احمد فاروق سے رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ ہمیں پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔ نماز جنازہ ہوچکی ہے اور ’’فیونرل ہوم‘‘ (Funeral Home) والے مولانا کی میت کو لینے کے لیے بس آنے ہی والے ہیں۔ اس اطلاع سے سب پر سراسیمگی سی طاری ہوگئی۔ کیا بفلو پہنچنے کے باوجود نہ مولانا کی نماز جنازہ ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوگی‘ نہ ان کا منہ دیکھنا ہی نصیب ہوگا؟ —— لیکن ڈاکٹر احمد فاروق صاحب کے گھر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ الحمدللہ ابھی مولانا کی میت وہیں موجود ہے‘ حالانکہ ہمیں گھر کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکنے میں خاصی تاخیر بھی ہوگئی تھی۔

میرے دل کی اُس وقت جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ ایک جانب شدید رنج وصدمہ اور خاص طور پر یہ حسرت کہ مولانا سے ان کی زندگی میں ملاقات نہ ہوسکی اور جو خواہش اس قدر اچانک اور اتنی شدّت سے پیدا ہوئی تھی وہ تشنۂ تکمیل رہ گئی اور وہ بھی اس شان سے کہ (بقول قائم چاند پوری) ؎

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا!

دوسری جانب خود مولانا کے بارے میں یہ حسرت آمیز احساس کہ ’’مار اد یارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دُور!‘‘ یہاں امریکہ میں کتنے لوگوں کو احساس ہوگا کہ آج کون دنیا

سے اُٹھ گیا! یہ حادثہ اگر لاہور میں پیش آیا ہوتا تو جو کہرام پورے شہر میں مچا ہوتا اسے چشمِ تصوّر کے سامنے رکھتے ہوئے جب میں نے ڈاکٹر احمد فاروق کے مکان پر جمع گنتی کے چند اشخاص کو دیکھا تو دل میں درد کی ایک شدید ٹیس محسوس ہوئی۔ تیسری جانب خود اپنے بارے میں ایک انجانا سا خوف تھا کہ نامعلوم یہاں میرا استقبال کس طرح ہو۔ ذہناً میں اس کے لیے بھی پوری طرح تیار ہو کر گیا تھا کہ ڈاکٹر احمد فاروق نہایت درشتی کے ساتھ کہہ دیں کہ ’’آپ اب یہاں کیا لینے آئے ہیں؟ گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کریں!‘‘ اور یوں مَیں باہر ہی سے بصد حسرت و یاس لوٹا دیا جاؤں!

لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ڈاکٹر احمد فاروق نے میرا استقبال نہایت شریفانہ و مہذبانہ انداز ہی میں نہیں بلکہ حد درجہ ادب و احترام کے ساتھ کیا اور چھوٹتے ہی یہ الفاظ کہے:

’’مَیں نے آپ کا سلام ابّا جان کو پہنچا دیا تھا —— اور یہ بھی کہ آپ ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ ادھر ابّا جان بھی آپ سے ملاقات کے بہت خواہاں تھے لیکن ڈاکٹروں نے شدید پابندی لگائی ہوئی تھی کہ نہایت قریبی اعزّہ کے سوا اور کوئی ملاقات نہ کرے!‘‘

میرے حواس نیم گم سم تو پہلے ہی سے تھے‘ ڈاکٹر احمد فاروق کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میں بالکل ہی گم سم ہو کر رہ گیا‘ جس پر خود انہوں نے مجھے مکان کے اندر آنے کی دعوت دی۔ ان کے ڈرائنگ روم میں ایک بنچ پر مولانا کا جسدِ خاکی سفید براق کفن میں لپٹا رکھا تھا۔ بصد حسرت و یاس اُن کا دیدار کیا اور پھر نمازِ جنازہ کے لیے صف درست کی۔ سب لوگوں نے باصرار مجھے ہی امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ جو لوگ اس سے قبل نماز ادا کر چکے تھے وہ بھی دوبارہ شریک ہوگئے لیکن اس پر بھی کل تعداد پندرہ بیس کی ہوگی۔ (اُس وقت جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ تھا کہ اس سے قبل صرف ایک بار نمازِ جنازہ ہوئی ہے۔ بعد میں روزنامہ جسارت‘ کراچی میں شائع شدہ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اس سے قبل دو بار نماز جنازہ ادا کی جا چکی تھی اور میری امامت میں جو نماز ہوئی وہ تیسری تھی۔ واللہ اعلم!) —— نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ شور مچ گیا کہ فیونرل ہوم والے آ گئے ہیں اور جلدی کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ امریکی قانون کے مطابق میت گھر پر لانے کی اجازت ہی نہیں ہوتی‘ ہسپتال سے لاش سیدھی فیونرل ہوم یعنی ’’جنازہ گاہ‘‘ جاتی ہے اور وہیں غسل اور تجہیز و تکفین ہوتی ہے اور جملہ رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ یہ تو

چونکہ احمد فاروق خود ڈاکٹر تھے اور ایک عرصے سے بفلو میں مقیم ہونے کے باعث کافی بااثر بھی تھے‘ لہٰذا مولانا کی میت گھر پر آ سکی اور تجہیز وتکفین کے مراحل مولانا کی اہلیہ صاحبہ کی نگرانی میں پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ طے پا سکے۔ یہ بات پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے کہ ’’فیونرل ہوم‘‘ والوں کو کسی سبب سے دیر ہوگئی تھی‘ تب ہی ہم مولانا کی زیارت بھی کر سکے اور نماز جنازہ بھی ادا کر سکے‘ وگرنہ اگر وہ اپنے متعین وقت پر آ جاتے تو ہم ان سعادتوں سے بھی محروم ہی رہتے (جیسے کہ ڈاکٹر انیس احمد برادرِ خرد پروفیسر خورشید احمد محروم رہے‘ اس لیے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس وقت پہنچے جب مولانا کی میت روانہ ہو چکی تھی) —— بہرحال ڈرائنگ روم سے باہر فیونرل ہوم کی گاڑی تک لانے میں جو مختصر فاصلہ طے ہوا اس میں مولانا کی میت کو کندھا دینے کی سعادت بھی حاصل ہوگئی۔‘‘

اس کے بعد ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء کے دورۂ امریکہ وکینیڈا کے دوران بھی ڈاکٹر صاحبؒ نے ڈاکٹر احمد فاروق مودودی سے ملاقاتیں کیں۔

۱۹۸۳ء میں مَیں بفلو (نیویارک) منتقل ہو گیا اور زندگی کے ۳۲ سال وہاں گزر گئے۔ اس دوران ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی مع اپنے صاحب زادے بفلو تشریف لائے اور کچھ دن غریب خانہ پر قیام رہا‘ جس کی خوش گوار یادیں آج بھی تروتازہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے معتقدین اور چاہنے والوں کا ایک طویل سلسلہ امریکہ اور کینیڈا میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ بفلو سے ٹورنٹو قریب ہونے کی وجہ سے لوگ جوق در جوق ملنے آ رہے تھے۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب کو خیال آیا کہ خاتونِ خانہ پر ملاقات کے لیے آنے والوں کی خاطر تواضع کا بار ہوگا۔ چنانچہ مجھے مخاطب ہو کر کہا: ’’ساجد صاحب! جب ہاتھی کو دعوت دیتے ہیں تو دروازہ اونچا کرانا پڑتا ہے۔‘‘

جماعت اسلامی سے علیحدگی نظریاتی اختلاف کی بنا پر ہوئی‘ لیکن شخصی مخاصمت بالکل نہیں تھی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ذکر اور نام احترام سے لیتے تھے۔ بفلو میں قیام کے دوران ڈاکٹر احمد فاروق سید سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر احمد فاروق اور ان کی اہلیہ ثمینہ فاروق کو اپنے گھر پر مدعو کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نہایت گرم جوشی سے ملے اور بہت دیر تک پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔

۱۹۹۲ء میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کی میڈیکل کانفرنس استنبول‘ ترکی میں منعقد ہوئی۔ اس میں امریکہ اور دیگر ممالک سے بڑی تعداد میں ڈاکٹر حضرات نے شرکت کی۔ میں بھی اس کانفرنس میں شریک تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد مہمان خصوصی تھے۔ استنبول کی یونیورسٹی کی طرف سے کانفرنس کے شرکاء اور مندوبین کے اعزاز میں ایک عشائیہ کا اہتمام تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس موقع پر خلافت اور اسلامی نظام کے نفاذ کے موضوع پر تقریر کی۔ یہ بڑی جرأت مندی تھی‘ کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ ترکی میں سیکولرازم کا زور تھا اور بڑی حد تک فوج کی حکمرانی تھی۔ اسلامی نظام اور خلافت کا موضوع ایک شجرِ ممنوعہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب سے اکثر مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔ میں نے ایک دن استفسار کیا کہ صدر جنرل ضیاء الحق کے نظام مصطفیٰؐ اور اسلامی شوریٰ کونسل وغیرہ کے بارے میں ایک عام تاثر یہ تھا کہ وہ اسلام کو سیاسی مصلحت کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ آپ نے اس وقت جنرل ضیاء الحق کی تشکیل کی گئی شوریٰ کونسل میں شرکت کیوں کی؟ ڈاکٹر صاحب کا برجستہ جواب تھا کہ میں خلوصِ نیت سے شامل ہوا تھا‘ مگر جوں ہی مجھے احساس ہوا کہ اقامتِ دین سے زیادہ سیاسی مصلحت کارفرما تھی تو میں فوراً ہی الگ ہو گیا۔ ❁❁❁

ڈاکٹر سید ساجد حسین کو اپنے اس مضمون کی اشاعت کا شدت سے انتظار تھا اور انہوں نے اس شمارے کے ۱۰۰ عدد نسخوں کا پیشگی آرڈر بھی دے رکھا تھا۔ تاہم‘ کیا کیا جائے کہ بندہ عاجز ہے۔ جریدہ اشاعت کے آخری مراحل میں تھا کہ جناب سید ساجد حسین کے انتقال کی اطلاع موصول ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن! ان کی نمازِ جنازہ اسی اسلامک سنٹر میں ادا کی گئی جس کا اس رپورٹ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ادارہ موصوف کے اہل خانہ سے دلی تعزیت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہے کہ مرحوم کی نیکیوں کو قبول فرمائے‘ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ان کو اعلیٰ علّیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

Nov 2024
Vol.73

Regd. CPL No.115
No.11

Monthly Meesaq Lahore

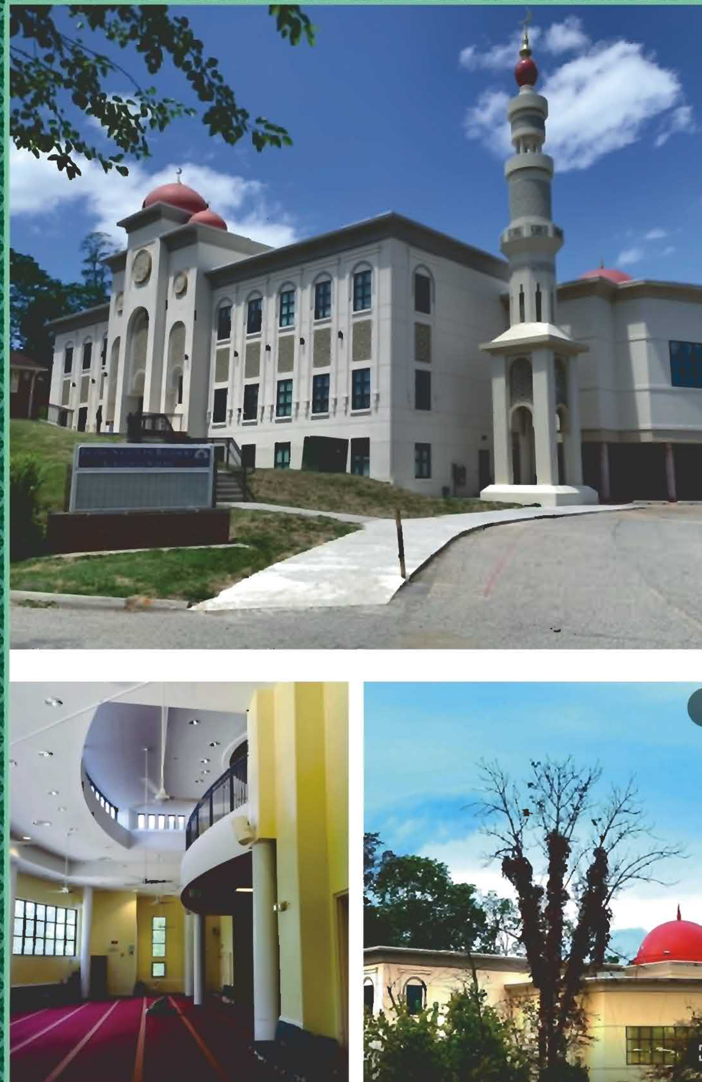

مسجد الرحمہ اور قرآن اکیڈمی پر مشتمل اسلامک سنٹر بالٹی مور (میری لینڈ، امریکہ) کی شان دار عمارات، جن کی تعمیر سے پہلے ان کے لیے مخصوص قطعہ اراضی پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ۱۹۷۹ء میں نمازِ عیدالفطر کی امامت فرمائی۔